مجلس انصار اللہ یوکے علمی تعلیمی تربیتی مجلہ

انصار الدین

جنوری، فروری ۲۰۱۶ء صلح، تبلیغ ہجری شمسی ۱۳۹۵ جلد ۱۳ شمارہ ۱

سبز اشتہار

سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائیگا۔ ایک ذکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ذریّت و نسل ہو گا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمھارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ اور وہ رِجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت و دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ (اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے۔) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائیگا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصار الدین

جلد 13   نمبر 1

یہ رسالہ قیادت اشاعت مجلس انصار اللہ برطانیہ کے زیر انتظام شائع کیا جاتا ہے

جنوری و فروری 2016ء

فہرست مضامین

❁ درس القرآن + حدیث النبی ﷺ 2

❁ ارشادات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام 3

❁ فرمودات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز 3

❁ حضرت مصلح موعودؓ کی دعا کا معجزانہ اثر 4
(بشیر احمد خان رفیق۔ یوکے)

❁ سیرۃ النبی ﷺ (ازواج مطہرات کی نظر سے) 5
(راجہ برہان احمد۔ یوکے)

❁ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا مقام (حضرت مصلح موعودؓ کی تحریر سے انتخاب) 8

❁ قرآن کریم اور تخلیق انسانی (ڈاکٹر شمیم احمد۔ یوکے) 8

❁ حضرت مصلح موعودؓ پر اعتراضات کے جوابات (قسط اوّل) 11
(قمر داؤد کھوکھر۔ آسٹریلیا)

❁ حضرت مصلح موعودؓ کی شخصیت (حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ) 15

❁ مَیں ہی پیشگوئی مصلح موعودؓ کا مصداق ہوں 16
(سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا ایک پُرشوکت حلفیہ بیان)

❁ مثالی طالبعلم (آخری قسط) (طارق حیات۔ مربی سلسلہ) 17

❁ ہمارا خدا......ہستی باری تعالیٰ کے عقلی دلائل 19
(حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصنیف ''ہمارا خدا'' سے انتخاب وتلخیص)

❁ کتاب ''ارض بلال'' (از منور احمد خورشید مبلغ سلسلہ) کا تعارف 23
(عبادہ عبداللطیف کے قلم سے)

❁ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی حضرت مصلح موعودؓ سے محبت 24

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد

مدیر: محمود احمد ملک

نائبین: صفدر حسین عباسی، حبیب الرحمٰن غوری،

مینیجر: نعیم گلزار

ترسیل: سعادت جان (انچارج)
محمد یوسف ناصر۔ احمد میر۔
محمد اعظم خان۔ سلیم احمد

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF   e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا۔ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ۔ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (الشوریٰ:41) اور بدی کا بدلہ کی جانے والی بدی کے برابر ہوتا ہے۔ پس جو کوئی معاف کرے بشرطیکہ وہ اصلاح کرنے والا ہو تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام میں کسی غلط حرکت کرنے والے، نقصان پہنچانے والے سے، چاہے وہ چھوٹی سطح پر نقصان پہنچانے والا ہو یا بڑے پیمانے پر نقصان پہنچانے والا ہو، یا دشمن ہو ہر ایک سے ایسا سلوک کرنے کی تعلیم ہے جو اس کی اصلاح کا پہلو لئے ہوئے ہو۔ اسلام میں سزا کا تصور ضرور ہے لیکن ساتھ معافی اور درگزر کا بھی حکم ہے۔ اس آیت میں بھی یہی حکم ہے کہ بدی اور برائی کرنے والے کو سزا دو لیکن اس سزا کے پیچھے بھی یہ محرّک ہونا چاہئے کہ اس سزا سے بدی کرنے والے یا نقصان پہنچانے والے اور جرم کرنے والے کی اصلاح ہو۔ پس جب اصلاح مقصد ہے تو پھر سزا دینے سے پہلے یہ سوچو کہ کیا سزا سے یہ مقصد حل ہو جاتا ہے۔ اگر سوچنے کے بعد بھی، مجرم کی حالت دیکھنے کے بعد بھی اس طرف توجہ پھرتی ہے کہ اس مجرم کی اصلاح تو معاف کرنے سے ہو سکتی ہے تو پھر معاف کر دو یا اگر سزا دینے سے ہو سکتی ہے تو سزا دو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ معاف کرنا بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین اجر کا وارث بنائے گا۔ آخر پر اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ کہہ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر سزا میں حد سے بڑھنے کی کوشش کرو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے۔ بہرحال یہ بنیادی قانون اور اصول سزا اور اصلاح کا قرآن شریف میں پیش ہوا ہے جو ہماری انفرادی زندگی کے معاملات پر بھی حاوی ہے اور حکومتی معاملات میں بھی بلکہ بین الاقوامی معاملات میں، معاشرے کی اصلاح کے لئے بھی یہ بنیاد ہے۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا کسی مجرم کو سزا دینے کا اصل مقصد اصلاح ہے اور اخلاقی بہتری ہے۔ پس اسلام کہتا ہے کہ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے صرف سزا پر زور نہ دو بلکہ اصلاح پر زور دو۔ اگر تو سمجھتے ہو کہ معاف کرنے سے اصلاح ہو گی تو معاف کر دو۔ اگر حالات و واقعات یہ کہتے ہیں کہ سزا دینے سے اصلاح ہو گی تو سزا دو۔ لیکن سزا میں اس بات کا بہرحال خاص طور پر خیال رکھنا ہو گا کہ سزا جرم کی مناسبت سے ہو ورنہ اگر جرم سے زیادہ سزا ہے تو یہ ظلم اور زیادتی ہے اور ظلم اور زیادتی کو خدا تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

پس اسلام میں پہلے مذاہب کی طرح افراط اور تفریط نہیں ہے۔ اس کے اعلیٰ ترین نمونے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتے ہیں۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ مجرم کی اصلاح ہو گئی ہے تو اپنے انتہائی ظالم دشمن کو بھی معاف فرما دیا۔ آپؐ پر، آپؐ کی اولاد پر، آپؐ کے صحابہ پر کیا کیا ظلم نہیں ہوئے لیکن جب دشمن معافی کا طالب ہوا اور خدا اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ بھول کر معاف فرما دیا۔

(حضور انور ایّدہ اللّٰہ کے خطبہ جمعہ فرمودہ 22 جنوری 2016ء سے انتخاب)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر تم دیکھ لو کہ اللہ کا خلیفہ زمین پر موجود ہے تو اس سے وابستہ ہو جاؤ۔ اگرچہ تمہارا بدن تار تار کر دیا جائے اور تمہارا مال لُوٹ لیا جائے۔ (مسند احمد بن حنبل ۔حدیث نمبر 22333)

حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے سریانی زبان سیکھنے کا ارشاد فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہود کی خط و کتابت کی زبان سیکھو کیونکہ مجھے یہودیوں پر اعتبار نہیں۔ چنانچہ مَیں نے 15 دن کے اندر سریانی زبان سیکھ لی۔ اور جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو خط لکھنا ہوتا تو مجھ سے لکھواتے اور جب ان کی طرف سے کوئی خط آتا تو مَیں رسول اللہ ﷺ کو پڑھ کر سناتا۔ (جامع ترمذی کتاب الاستئذان باب فی تعلیم السریانیہ حدیث نمبر 2639)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی مشکل امر درپیش ہوتا تو یہ دعا کرتے: اے اللہ مَیں تیری پناہ مانگتا ہوں ابتلا کی سختی سے اور بدبختی کی گرفت سے اور تقدیر کے شر سے اور دشمنوں کے اپنے خلاف خوش ہونے سے۔ (صحیح بخاری کتاب الدعوات باب التعوذ من جھد البلاء حدیث نمبر: 5871)

حضرت حارث الاشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ کو یاد کرو اور ذکر الٰہی کی مثال یوں سمجھو کہ جیسے کسی آدمی کا اس کے دشمن نہایت تیزی کے ساتھ پیچھا کرتے رہے ہوں یہاں تک کہ اس آدمی نے بھاگ کر ایک نہایت مضبوط قلعہ میں پناہ لی اور دشمنوں کے ہاتھ لگنے سے بچ گیا۔ اسی طرح بندہ شیطان سے بچ نہیں سکتا مگر اللہ کی یاد کے سہارے۔

(جامع ترمذی کتاب الامثال باب مثل الصلوٰۃ حدیث نمبر: 2790)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن اللہ کے گھر کے ہر دروازے پر فرشتے ہوتے ہیں۔ وہ خدا کے گھر میں پہلے آنے والوں کو پہلے لکھتے ہیں اور آنے والوں کی فہرست ترتیب وار تیار کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب امام خطبہ شروع کرتا ہے تو وہ اپنا رجسٹر بند کر دیتے ہیں اور ذکر الٰہی سنتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعہ باب الاستماع حدیث نمبر: 877)

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی: اے اللہ! میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کر دے اور میرا ظاہر نیک بنا دے۔ اے اللہ! مَیں تجھ سے دنیا میں تیری عطاؤں میں سے ایسے نیک اہل و عیال اور پاک مال مانگتا ہوں جو نہ خود گمراہ ہوں اور نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہوں۔

(جامع ترمذی کتاب الدعوات باب دعا یوم عرفۃ حدیث نمبر 3510)

حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں رسول اللہ ﷺ کی سو سے زیادہ مجالس میں بیٹھا ہوں۔ ان میں صحابہؓ اشعار پڑھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے قصے سناتے تھے۔ آنحضرت ﷺ خاموشی سے سنتے تھے اور کبھی کبھی ان کے ساتھ تبسم بھی فرماتے تھے۔ (جامع ترمذی کتاب الادب باب فی انشاد الشعر)

کلام الامام علیہ السلام

ہماری جماعت کو ایسا ہونا چاہئے کہ نری لفّاظی پر نہ رہے بلکہ بیعت کے سچے منشاء کو پورا کرنے والی ہو۔ اندرونی تبدیلی کرنی چاہیے۔ اگر اندرونی تبدیلی نہیں تو تم میں اور تمہارے غیر میں کچھ فرق نہیں۔

اپنے نفس کی تبدیلی کے واسطے سعی کرو۔ نماز میں دعائیں مانگو۔ صدقات خیرات سے اور دوسرے ہر طرح کے حیلہ سے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ہماری جماعت کو ایسا ہونا چاہئے کہ نری لفّاظی پر نہ رہے بلکہ بیعت کے سچے منشاء کو پورا کرنے والی ہو۔ اندرونی تبدیلی کرنی چاہیے۔ صرف مسائل سے تم خدا تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتے اگر اندرونی تبدیلی نہیں تو تم میں اور تمہارے غیر میں کچھ فرق نہیں۔ اگر تم میں مکر، فریب، کسل اور سستی پائی جائے تو تم دوسروں سے پہلے ہلاک کئے جاؤ گے۔ ہر ایک کو چاہئے کہ اپنے بوجھ کو اٹھائے اور اپنے وعدے کو پورا کرے۔ عمر کا اعتبار نہیں۔ دیکھو مولوی عبدالکریم صاحب فوت ہوگئے۔ ہر جمعہ میں ہم کوئی نہ کوئی جنازہ پڑھتے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے اب کرلو۔ جب موت کا وقت آتا ہے تو پھر تاخیر نہیں ہوتی۔ جو شخص قبل از وقت نیکی کرتا ہے امید ہے کہ وہ پاک ہوجائے۔ اپنے نفس کی تبدیلی کے واسطے سعی کرو۔ نماز میں دعائیں مانگو۔ صدقات خیرات سے اور دوسرے ہر طرح کے حیلہ سے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا﴾ (العنکبوت:70) میں شامل ہوجاؤ۔ جس طرح بیمار طبیب کے پاس جاتا، دوائی کھاتا، مسہل لیتا، خون نکلواتا، ٹکور کرواتا اور شفا حاصل کرنے کے واسطے ہر طرح کی تدبیر کرتا ہے اسی طرح اپنی روحانی بیماریوں کو دور کرنے کے واسطے ہر طرح کی کوشش کرو۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ مجاہدہ کے جس قدر طریق خدا تعالیٰ نے فرمائے ہیں وہ سب بجالاؤ۔ صدقہ خیرات کرو۔ جنگلوں میں جاکر دعائیں کرو۔ سفر کی ضرورت ہو تو وہ بھی کرو۔ بعض آدمی پیسے لے کر بچوں کو دیتے پھرتے ہیں کہ شاید اسی طرح کشوفِ باطن ہوجائے۔ جب باطن پر قفل ہوجائے تو پھر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ حیلے کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ جب انسان تمام حیلوں کو بجالاتا ہے تو کوئی نہ کوئی نشانہ بھی ہوجاتا ہے۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 507-505 جدید ایڈیشن)

فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں کہ ''تیزی کے ساتھ کام کرنے سے اوقات میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔'' اور پھر آپ نے فرمایا کہ ''بچوں کو جلدی کام کرنے اور جلدی سوچنے کی عادت ڈالی جائے۔ مگر جلدی سے مراد جلد بازی نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر تیزی سے کام کرنا ہے۔ جلد باز شیطان ہے۔ لیکن سوچ سمجھ کر جلدی کام کرنے والا خدا تعالیٰ کا سپاہی ہے۔'' یہ سستی بہت سوں میں پیدا ہوتی ہے کہ آرام کرلیں، بعد میں کام کرلیں گے تو پھر ہمیشہ کام لیٹ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس صرف بچوں کی بات نہیں ہے۔ بڑوں اور عہدیداروں کو بھی اپنے کاموں میں تیزی پیدا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہم اس مسیح کے ماننے والے ہیں جنہوں نے وقت کو بڑی قدر کرتے ہوئے استعمال کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الہاماً بھی فرمایا کہ ان کا وقت ضائع نہیں کیا جاتا۔ پس ہمیں اس طرف توجہ رکھنی چاہئے۔

پھر حضرت مسیح موعود کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو میں نے دیکھا ہے کہ آپ دن بھر گھر کے اندر کام کرتے لیکن روزانہ ایک دفعہ سیر کے لئے ضرور جاتے۔'' (تحریر، تقریر، ملاقاتیں یہ سارے کام ہوتے لیکن سیر کے لئے ضرور جاتے۔) اور چوہتر پچھتّر برس کی عمر کے باوجود سیر پر اس قدر باقاعدگی رکھتے۔ (اب آپ نے عمر یہاں اندازاً (بیان) فرمائی ہے۔ اس میں بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو عادت پڑ جاتی ہے کہ یہاں حوالہ سن لیا تو پھر بحث شروع ہوجائے گی یہ تہتر سال تھی یا چوہتر سال تھی یا پچھتّر سال تھی اندازاً حضرت مصلح موعود بیان فرما رہے ہیں تو بہر حال فرماتے ہیں کہ اتنی عمر کے باوجود سیر پر اس قدر باقاعدگی رکھتے) ''کہ آج وہ ہم سے نہیں ہوسکتی۔ ہم بعض دفعہ سیر پر جانے سے رہ جاتے ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام ضرور سیر کے لئے تشریف لے جاتے۔'' (آپ نے فرمایا) ''کھلی ہوا کے اندر چلنا پھرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا دماغ کے لئے مفید ہوتا ہے اور جب تحریک جدید کے بورڈر، (بورڈرز کو یہ نصیحت فرما رہے ہیں) کھلی ہوا میں رہ کر مشقت کا کام کریں گے تو جہاں ان کی صحت اچھی رہے گی وہاں ان کا دماغ بھی ترقی کرے گا اور وہ دنیا کے لئے مفید وجود بن جائیں گے۔'' (ماخوذ از خطبات محمود جلد 16 صفحہ 836 تا 839)

پس آجکل کھلی فضا میں کھیلنے کی طرف بھی بچوں اور نوجوانوں کو خاص طور پر توجہ دینی چاہئے اور توجہ دلانے کی ضرورت بھی ہے اور جامعات کے طلباء کے لئے تو خاص طور پر کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ باہر کھیلنا لازمی قرار دیا جانا چاہئے۔ آجکل ٹی وی اور اس سے متعلقہ کھیلوں نے جو باہر کی ورزشیں ہیں ان کو بالکل بند کر دیا ہے۔ اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو بہر حال سیر اور کھیلیں ہونی چاہئیں۔

(انتخاب از خطبہ جمعہ فرمودہ 6 فروری 2015ء)

حضرت مصلح موعودؓ کی دعا کا معجزانہ اثر

(بشیر احمد خان رفیق۔ سابق امیر و مبلغ انچارج برطانیہ)

1960ء میں خاکسار ایک ماہ کی رخصت پر انگلستان سے پاکستان گیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حضورؓ نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ تم واپس جا کر انگلستان کے شہر برائٹن میں تبلیغ کا کام شروع کرو۔ اللہ تعالیٰ اس شہر میں احمدیت کے لئے راستہ کھول دے گا۔ حضورؓ نے اپنا یہ ارشاد دو تین مرتبہ دہرایا اور فرمایا کہ ملکہ الزبتھ اوّل کے زمانہ میں جب انگلستان کو ہسپانوی بیڑے کے انگلستان پر حملہ آور ہونے کا خدشہ پیدا ہوا تو ملکہ الزبتھ نے ترکی کے سلطان سے مدد کی درخواست کی۔ سلطان ترکی نے اپنے چند جرنیلوں کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے انگلستان بھجوایا۔ ملکۂ انگلستان نے ان مسلمان جرنیلوں کو برائٹن شہر میں ٹھہرایا۔ جس مکان میں یہ مسلمان جرنیل ٹھہرائے گئے تھے، اس کے ایک کمرہ کو انہوں نے مسجد میں تبدیل کر کے اس کی دیواروں پر بعض قرآنی آیات لکھ دی تھیں۔

حضورؓ نے فرمایا کہ جب حضور 1924ء میں دورۂ انگلستان پر تشریف لے گئے تھے تو حضورؓ برائٹن بھی تشریف لے گئے اور اس کمرہ کو جا کر دیکھا اور وہاں دعا بھی کی۔ حضورؓ نے مزید فرمایا کہ اب جبکہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا دور شروع ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ برائٹن میں اسلام اور احمدیت کیلئے دروازے کھول دے گا۔

چنانچہ انگلستان پہنچنے پر خاکسار نے حضرت مصلح موعودؓ کے اس ارشاد کی تعمیل میں برائٹن میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔ برائٹن میں ایک نہایت خوبصورت شاہی محل ہے جس کی طرزِ تعمیر ہندوستانی طرزِ تعمیر کے مطابق ہے۔ اس محل کے خوبصورت اور منقّش گنبد اور مینار دُور سے نظر آتے ہیں۔ اس محل کے ایک کمرہ کو ہم نے کرایہ پر حاصل کر لیا اور لوکل اخبارات میں اس بات کا اشتہار دیا کہ خاکسار (امام مسجد فضل لندن) ہفتہ کے روز اس کمرہ میں اسلام پر تقریر کرے گا۔ دستی اشتہارات پانچ ہزار کے قریب گھروں میں تقسیم کئے گئے۔ ہفتہ کے روز مقررہ وقت پر لندن سے خاکسار کے ہمراہ آٹھ دس افراد مکرم مولوی عبدالکریم صاحب کی کار میں برائٹن پہنچے۔ ہم نے کمرہ کو لیکچر کے لئے تیار کیا۔ اس جلسہ کی صدارت مکرم عبدالعزیز دین صاحب مرحوم نے کرنی تھی۔ تاہم جوں جوں لیکچر کا وقت قریب آتا گیا، ہماری پریشانی میں اضافہ ہوتا رہا کیونکہ لیکچر کے شروع ہونے سے پندرہ منٹ قبل تک ایک شخص بھی ہال میں داخل نہ ہوا تھا۔ جب تقریر میں صرف دس منٹ رہ گئے تو خاکسار نے وہاں موجود احمدی احباب کو تحریک کی کہ چونکہ ہم اس شہر میں تبلیغ کا آغاز سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے خاص ارشاد کے ماتحت کر رہے ہیں اور چونکہ حضورؓ کو اس شہر میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ ہے اس لئے آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ غیب سے ہمارے لئے سامعین مہیا کر کے حضورؓ کی خواہش کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرماوے۔ ہم سب کمرہ کے ایک کونے میں اجتماعی دعا میں لگ گئے اور اشکبار آنکھوں سے آستانۂ الٰہی پر گڑ گڑانے لگے۔ ہم نے غالباً پندرہ بیس منٹ دعا میں صرف کئے ہوں گے۔ جب دعا ختم ہوئی اور ہم نے کمرہ کی طرف نگاہ کی تو ہمارے دل اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے بھر گئے۔ ہم نے ایک عظیم اعجاز دعا کی فوری قبولیت کا یہ دیکھا کہ کمرہ سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

خاکسار نے اسلام کی حقانیت پر تقریر کی اور تقریر کے بعد سامعین کو سوال و جواب کی دعوت دی گئی۔ تقریر کی کامیابی کو دیکھ کر ایک پادری صاحب، جو کمرہ میں موجود تھے، بہت جز بز ہوئے اور تقریر کا اثر ختم کرنے کے لئے انہوں نے خاکسار کو دعوتِ مناظرہ دے دی جو خاکسار نے اسی وقت قبول کر لی۔ پادری صاحب سے یہ طے ہوا کہ اگلے ہفتہ کے روز اسی کمرہ میں ان کا خاکسار سے اسلام اور عیسائیت پر مناظرہ ہوگا۔

لیکن دوسرے ہفتہ جب کمرہ کھچا کھچ سامعین سے بھرا ہوا تھا، پادری صاحب نہ آئے اور یوں عیسائی سامعین کے قلوب پر اسلام کی حقانیت کو ثبت کر گئے۔ خیر جب سوال و جواب کا سلسلہ ختم ہوا تو لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ ایک خاتون جن کا نام مس Irene Crene تھا، بیٹھی رہیں۔ جب سب لوگ جا چکے تو اس خاتون نے خاکسار کو کہا کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہیں۔ اس وقت جو خوشی ہم سب کو ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ خاکسار نے اس خاتون سے دریافت کیا کہ وہ کیوں مسلمان ہونا چاہتی ہیں تو وہ کہنے لگیں کہ وہ بچپن سے ہی عیسائیت سے متنفر تھیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر پورا یقین تھا۔ وہ کہنے لگیں کہ میں نے عیسائیت سے بیزاری کے بعد بڑی تضرّع سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں شروع کیں کہ مولیٰ کریم میری رہنمائی سچے دین کی طرف کر دے۔ اس عرصہ میں مَیں بہائیوں، بدھ مت اور ہندوؤں کے جلسوں میں بھی شامل ہوتی رہی لیکن کہیں بھی مجھے روشنی کی کرن نظر نہ آئی۔ اب کچھ عرصہ سے مجھ پر مایوسی مسلّط ہوتی جا رہی تھی اور قریب تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی سے بھی منکر ہو جاتی کہ آپ لوگوں کا اشتہار اخبار میں پڑھا اور نہ جانے کیوں میں اس یقین پر قائم ہوگئی کہ یہاں مجھے ضرور روشنی نظر آجائے گی۔ مَیں نے پچھلی رات بہت دعا کی تو میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ گوہرِ مقصود کل کی میٹنگ میں مل جائے گا۔ چنانچہ آج میں نے آپ کی تقریر سنی تو دل نے بے اختیار صداقت کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ واقعہ بیان کرتے وقت ان پر رقّت طاری ہوگئی اور وہ کہنے لگیں کہ مَیں تو سمجھتی ہوں آپ کو اللہ تعالیٰ میری ہدایت کے لئے کھینچ کر لایا ہے۔ خاکسار نے اُن کا بیعت فارم اسی وقت حضورؓ کی خدمت میں بھجوایا۔ حضورؓ نے ان کا اسلامی نام سلیمہ کرین رکھا۔ یہ خاتون اسلام کی اعلیٰ تعلیم پر اس سختی سے عامل ہوئیں کہ جب دوسرے ہفتہ خاکسار کی تقریر سننے آئیں تو کہنے لگیں کہ یہ ہفتہ میرا بہت ذہنی کشمکش میں گزرا ہے۔ کیونکہ آپ نے بیعت فارم پُر کروانے کے بعد یہ کہا تھا کہ اسلام نے سؤر کا گوشت کھانے، شراب پینے اور مخلوط محفلوں میں بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ مَیں جب گھر گئی تو شام کے کھانے پر سؤر کا گوشت میری والدہ نے میرے سامنے لا کر رکھا۔ مَیں اس شش و پنج میں پھنس گئی کہ تھوڑا سا سؤر کا گوشت کھانا بھی منع ہے یا کبھی کبھار کی استثناء ہو سکتی ہے۔ آخر میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ سؤر کے گوشت کو ہاتھ نہ لگایا جائے اور اگلے ہفتہ امام صاحب سے جا کر پوچھ لیا جائے۔ اگر انہوں نے کہا کہ سؤر بالکل نہیں کھانا تو مَیں گناہ سے بچ جاؤں گی اور کہا کہ کبھی کبھی اجازت ہے تو پھر کبھی کھا لوں گی۔

اس کے بعد برائٹن میں حضورؓ کی توجہ اور دعاؤں کی برکت سے دس بارہ افراد کی جماعت بن گئی، جو بعد میں کچھ تو ترکی جا کر اور کچھ ملک کے دوسرے حصوں میں منتشر ہو گئے لیکن انہوں نے اپنا رابطہ مشن سے قائم رکھا۔ فالحمدللہ تعالیٰ۔

سیرت النبی ﷺ (ازواج مطہرات کی نظر سے)

(راجہ برہان احمد ۔مربی سلسلہ یو کے)

آپ ﷺ کی عظمت کا انکار کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں آپ ﷺ کی ذات کا صحیح علم حاصل نہیں تھا۔

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ انسان کامل اور رحمۃ للعالمین تھے۔ آپؐ کی سیرت ہر پہلو سے بطور مشعل راہ ہے اسی لئے انفرادی، عائلی، معاشرتی، ملکی اور عالمی سطح پر ہر پہلو سے کامل راہنمائی سیرت النبی ﷺ سے ملتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ پر ایمان لانے والوں میں سب سے قریبی سب سے پہلے تھے اور اسی طرح مومنین کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اسی بات کا اقرار کرتے ہوئے ایک عیسائی پادری ریورنڈ باسورتھ سمتھ رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

Those who knew him best, his wife, his eccentric slave, his cousin, his earliest friend - he who, as Mohammad said, alone of his converts, turned not back, neither was perplexed were the first to recognize his mission. The ordinary lot of a prophet was in his case reversed; he was not without honour save among those who did not know him well.

(Mohammed and Mohammedanism, by R. Bosworth Smith, Smith Elder & co.1876 p. 127)

ترجمہ: آپؐ کے مشن (نبوت و رسالت) کو سب سے پہلے قبول کرنے والے وہ لوگ تھے جو آپؐ کو اچھی طرح جانتے تھے مثلاً آپؐ کی زوجہ، آپؐ کا غلام، آپؐ کا چچازاد بھائی اور آپؐ کا پرانا دوست جس کے بارے میں حضرت محمد ﷺ نے کہا تھا کہ اسلام میں داخل ہونے والوں میں سے وہ واحد انسان تھا جس نے کبھی اپنی پیٹھ نہیں موڑی تھی اور نہ ہی وہ کبھی پریشان ہوا تھا۔ عام پیغمبروں کی طرح حضرت محمد ﷺ کی قسمت معمولی نہ تھی کیونکہ آپؐ کی عظمت کا انکار کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں آپؐ کی ذات کا صحیح علم حاصل نہیں تھا۔

اس مضمون میں حضرت ہادیٔ کامل ﷺ کو سب زیادہ قریب سے جاننے والی شخصیات، آپؐ کی ازواج مطہرات سے آپؐ کے حسنِ سلوک کا تذکرہ کیا جائے گا۔ امہات المؤمنین کے لقب سے مزین ہونے والی یہ عظیم خواتینِ مبارکہ آپ ﷺ کو کس طرح دیکھتی تھیں اور کیا گواہیاں دیتی تھیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی گواہی کے بعد یہ بیانات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ

(ترمذی کتاب المناقب باب فی فضل ازواج النبی ﷺ حدیث نمبر 3895)

کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ سلوک کرنے میں بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے ساتھ سلوک کرنے میں تم سب سے بہتر ہوں۔

مجھے اللہ کی قسم

آپ کے اس دعویٰ کی گواہی دیتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تاریخی کلمات کہے: فَقَالَتْ لَہٗ کَلَّا اَبْشِرْ فَوَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَداً اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدِقُ الْحَدِیْثَ وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ (مسند احمد عن عروہ عن عائشہؓ)

ترجمہ: حضرت خدیجہؓ نے کہا ایسا خیال مت کیجئے بلکہ آپ خوش ہو جایئے۔ مجھے اللہ ہی کی قسم وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں، ہر سچی بات کی آپ تصدیق کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کی کسی بات کا انکار نہیں کرتے، جو لوگ اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اُن کے بوجھ آپ خود اُٹھاتے ہیں، ہر آنے جانے والے کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور جو لوگ ایسی مصائب میں مبتلا ہوں کہ اس میں اُن کی شرارت کا دخل نہ ہو۔ بلکہ حوادثِ زمانہ کی وجہ سے انہیں تکلیف پہنچی ہو آپ اُن کا بوجھ بٹاتے ہیں۔

اخلاق قرآن تھے

ایک موقع پر حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کے اخلاق عین قرآن تھے۔ پھر فرمانے لگیں کہ سورۃ المومنون سناؤ۔ اس کی ابتدائی آیات (جن میں مومنوں کی صفات کا ذکر ہے) سن کر فرمایا یہی رسول اللہ ﷺ کے اخلاق فاضلہ تھے۔

(مستدرک حاکم جلد 2 صفحہ 426 تفسیر سورہ مومنون)

کسی حال میں بھی رسول خدا ﷺ سے جدائی گوارا نہیں

فتوحات وغنائم کے دور میں جب سورۃ احزاب کی آیت تخییر اُتری جس میں بیویوں کو مال و دولت اور اپنے حقوق لے کر رسول کریم ﷺ سے علیحدہ ہو جانے کا اختیار دیا گیا اور ارشاد ہوا کہ: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَ اُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحاً جَمِیْلًا۔ (الاحزاب 29) ۔یعنی اے ازواج! اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی خواہاں ہو تو آؤ میں تمہیں دنیوی متاع دے کر جدا کر کے عمدگی سے رخصت کر دیتا ہوں۔ اور اگر اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرنا چاہتی ہو تو ایسی نیک عورتوں کے لیے اللہ نے بڑا اجر مقرر کر چھوڑا ہے۔

اس حکم کے نازل ہونے پر رسول کریم ﷺ نے باری باری سب بیویوں سے ان کی مرضی پوچھی کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ فقر وغربت میں گزارہ کرنا پسند کرتی ہیں یا جدائی چاہتی ہیں تو سب بیویوں نے بلا توقف یہی مرضی ظاہر کی کہ وہ کسی حال میں بھی رسول خدا ﷺ کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتیں۔ سب سے پہلے جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو یہ اختیار دے کر ان کی رائے لینا چاہی تو اس خیال سے کہ نوعمر ہیں کہیں عجلت سے کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں۔ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ اے عائشہؓ ایک نہایت اہم اور نازک معاملے میں تمہیں حسب حکمِ الٰہی جو اختیار

دینے والا ہوں اس کے بارے میں فیصلہ سوچ سمجھ کر اور والدین سے مشورہ کے بعد کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود بے شک نو عمر تھیں مگر ان کا جواب کیسا کہنہ مشق اور کیا خوب تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں کس بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی؟ کیا خدا کے رسول سے جدائی اختیار کرنے کے بارے میں صلاح کروں گی؟ حضرت عائشہؓ بڑے ناز سے فرمایا کرتی تھیں کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے مجھے ماں باپ سے مشورہ کرنے کو اس لئے کہا تھا کہ آپؐ جانتے تھے کہ میرے والدین مجھے ہرگز رسول خدا ﷺ سے جدا ہونے کا مشورہ نہ دیں گے۔

تمام لوگوں سے زیادہ نرم خو

جہاں تک اہل خانہ سے آپ ﷺ کے حسنِ سلوک کا تعلق ہے آپ ﷺ نے کبھی گھر والوں کو برا بھلا نہیں کہا، گالی نہیں دی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص کی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کا بڑے دکھ کے ساتھ ذکر فرما رہے تھے۔ اتنے میں وہ شخص ملنے آ گیا۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ بہت نرمی اور ملاطفت سے پیش آئے۔ میں نے پوچھا کہ ابھی تو آپ ﷺ اس کی بدسلوکی کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ پھر اس کے ساتھ اس قدر نرم کلامی کیوں اختیار کی؟

آپؐ نے ایک جملہ میں نہ صرف حضرت عائشہؓ کی حیرت کا جواب دے دیا بلکہ خوش گفتاری کی اپنی دائمی صفت پر خود حضرت عائشہؓ کو گواہ ٹھہراتے ہوئے کیا خوب فرمایا: يَا عَائِشَةُ مَتٰى عَاهَدْتِنِىْ فَحَّاشًا کہ اے عائشہؓ اس سے پہلے میں نے کب کسی سے بدکلامی کی ہے جو آج کرتا۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی درشت کلمہ اپنی زبان پر نہ لائے۔

حضرت عائشہؓ کی شہادت گھریلو زندگی کے بارہ میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ نرم خو تھے اور سب سے زیادہ کریم عام آدمیوں کی طرح بلا تکلّف گھر میں رہنے والے۔ آپ ﷺ نے کبھی تیوری نہیں چڑھائی ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ نیز آپؓ فرماتی ہیں کہ اپنی ساری زندگی میں آنحضرت ﷺ نے کبھی اپنی کسی بیوی پر ہاتھ اٹھایا نہ کبھی کسی خادم کو مارا۔

ذاتی کام خود کرلیا کرتے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جتنا وقت آپ ﷺ گھر پر ہوتے تھے گھر والوں کی مدد اور خدمت میں مصروف رہتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو نماز کا بلاوا آتا اور آپ ﷺ مسجد تشریف لے جاتے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ فرمانے لگیں آپ ﷺ تمام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے بکری خود دوہ لیتے تھے اور ذاتی کام خود کرلیا کرتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے بیان کیا کہ آپ ﷺ اپنے کپڑے خود سی لیتے تھے، جوتے ٹانک لیا کرتے تھے اور گھر کا ڈول وغیرہ خود مرمت کر لیتے تھے۔ رات کو دیر سے گھر لوٹتے تو کسی کو زحمت دیئے یا جگائے بغیر کھانا یا دودھ خود تناول فرما لیتے۔

اختیار استعمال نہیں فرمایا

رسول کریم ﷺ کوشش فرماتے کہ تمام بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں فرق نہ آئے۔ جنگوں میں جاتے ہوئے بیویوں میں سے کسی کو ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی فرماتے تھے اور جس کا قرعہ نکلتا اس کو ہمراہ لے جاتے تھے۔

ہر چند کہ آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ (سورۃ الاحزاب:52) کے مطابق آپ ﷺ کو اختیار تھا کہ بیویوں میں سے آپ ﷺ جس کو چاہیں اس کی باری مؤخر کر دیں اور جسے چاہیں اپنے ہاں جگہ دے دیں۔ پھر بھی زندگی میں ایک دفعہ بھی آپ ﷺ نے یہ اختیار استعمال نہیں فرمایا کہ بلاوجہ معمول کی باریوں میں کوئی تفریق کی ہو۔

تیمارداری کا وہ کریمانہ سلوک

بیویوں میں سے کوئی بیمار پڑ جاتی تو آنحضور ﷺ بذات خود اس کی تیمارداری فرماتے۔ تیمارداری کا یہ سلوک اس قدر نمایاں اور ناقابلِ فراموش ہوتا تھا جس کا اندازہ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے ہوتا ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ واقعہ افک میں الزام لگنے کے زمانہ میں، اتفاق سے مَیں بیمار پڑ گئی تو اس وقت تک مجھے اپنے خلاف لگنے والے الزامات کی کوئی خبر نہ تھی۔ البتہ ایک بات مجھے ضرور کھٹکتی تھی کہ ان دنوں میں مَیں آنحضرت ﷺ کی طرف سے محبت اور شفقت بھرا تیمارداری کا وہ کریمانہ سلوک محسوس نہیں کرتی تھی جو اس سے پہلے کبھی بیماری میں آپ فرمایا کرتے تھے۔ واقعہ افک کے زمانہ میں تو بس اتنا تھا کہ آپؐ میرے پاس آتے سلام کرتے اور یہ کہہ کر کہ 'کیسی ہو؟' واپس تشریف لے جاتے۔ اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی کہ پہلے تو بیماری میں بڑے ناز اٹھاتے تھے اب ان کو کیا ہو گیا ہے؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایام مخصوصہ میں بھی بسا اوقات ایسا ہوتا کہ میرے ساتھ کھانا تناول کرتے ہوئے حضور ﷺ گوشت کی ہڈی یا بوٹی میرے ہاتھ سے لے لیتے اور بڑی محبت کے ساتھ اس جگہ منہ رکھ کر کھاتے جہاں سے میں نے اسے کھایا ہوتا تھا۔ میں کئی دفعہ پانی پی کر برتن حضور ﷺ کو پکڑا دیتی تھی۔ حضور ﷺ وہ جگہ ڈھونڈ کر جہاں سے میں نے پانی پیا ہوتا تھا وہیں منہ رکھ کر پانی پیتے تھے۔ اور یہ آپؐ کے پیار کا ایک انوکھا اور ادنیٰ سا اظہار ہوتا تھا۔

محبت میرے دل میں رَچ بس چکی

آنحضرت ﷺ کی ایک بیوی حضرت صفیہؓ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے شدید معاند اور یہودی قبیلہ بنی نضیر کے مشہور سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ جنگ خیبر میں حضرت صفیہؓ کا باپ اور ان کا خاوند مسلمانوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے تھے، مگر آنحضرت ﷺ نے پھر بھی یہود خیبر پر احسان فرماتے ہوئے حضرت صفیہؓ بنت حیی کو اپنے عقد میں لینا پسند فرمایا۔ اپنے جانی دشمن کی بیٹی صفیہؓ کو بیوی بنا کر اپنی شفقتوں اور احسانوں سے جس طرح انہیں اپنا گرویدہ کیا اور ان کا دل آپؐ نے جیتا وہ بلاشبہ انقلاب آفرین ہے۔ جنگ خیبر سے واپسی کا وقت آیا تو صحابہ کرامؓ نے یہ عجیب نظارہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اونٹ پر حضرت صفیہؓ کے لئے خود جگہ بنا رہے ہیں۔ وہ عبا جو آپؐ نے زیب تن کر رکھی تھی اتاری اور اسے تہہ کر کے حضرت صفیہؓ کے بیٹھنے کی جگہ پر بچھا دیا۔ پھر ان کو سوار کراتے وقت اپنا گھٹنا ان کے آگے جھکا دیا اور فرمایا اس پر پاؤں رکھ کے اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔

خود حضرت صفیہؓ کا بیان ہے کہ چونکہ جنگ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ میرے باپ اور شوہر مارے گئے تھے اس لئے میرے دل میں آپؐ کے لئے انتہائی نفرت تھی مگر آپؐ نے میرے ساتھ ایسا حسن سلوک فرمایا کہ میرے دل کی سب کدورت جاتی رہی۔ حضرت صفیہؓ بیان فرماتی ہیں کہ خیبر سے ہم رات کے

وقت چلتے چلتے آپؐ نے مجھے اپنی سواری کے پیچھے بٹھالیا مجھے اونگھ آ گئی اور سر پالان کی لکڑی سے جاٹکرایا۔حضور ﷺ نے بڑے پیار سے اپنا دست شفقت میرے سر پر رکھ دیا اور فرمانے لگے۔اے لڑکی! اے حیی کی بیٹی! ذرا احتیاط، ذرا اپنا خیال رکھو۔پھر رات کو جب ایک جگہ پڑاؤ کیا تو وہاں میرے ساتھ بہت محبت بھری باتیں کیں۔فرمانے لگے دیکھو تمہارا باپ میرے خلاف تمام عرب کو کھینچ لایا تھا اور ہم پر حملہ کرنے میں پہل اُس نے کی تھی اور یہ سلوک ہم سے روا رکھا تھا جس کی بنا پر مجبوراً تیری قوم کے ساتھ ہمیں یہ سب کچھ کرنا پڑا، جس پر میں بہت معذرت خواہ ہوں۔مگر تم خود جانتی ہو کہ یہ سب کچھ ہمیں مجبوراً اور جواباً کرنا پڑا ہے۔حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب میں رسول کریم ﷺ کے پاس سے اٹھی تو آپؐ کی محبت میرے دل میں ایسی رچ بس چکی تھی کہ دنیا میں آپؐ سے بڑھ کر مجھے کوئی پیارا نہ رہا۔

یہ نعمتیں جس کے طفیل......وہ ہم میں نہیں

جب کسریٰ کو شکست ہوئی اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو اُن میں کچھ ہوائی چکیاں بھی تھیں جن سے باریک آٹا پیس لیا کرتے اور پھونکوں سے اُس کے چھلکے اڑا کر روٹی پکا لیا کرتے تھے۔جب مدینہ میں ہوائی چکیاں آئیں اور اُن سے باریک میدہ تیار کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ پہلا آٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ سب سے پہلے آپ ہی اس آٹے کی نرم نرم روٹی کھائیں۔چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق وہ آٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش ہوا۔آپ نے ایک عورت کو دیا کہ وہ اسے گوندھ کر روٹی تیار کرے۔جب میدے کے گرم گرم اور نرم نرم پُھلکے تیار کر کے آپ کے سامنے لائے گئے تو آپؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک لقمہ توڑا اور اپنے منہ میں رکھ لیا مگر وہ لقمہ ابھی آپ نے اپنے منہ میں ڈالا ہی تھا کہ آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔دیکھنے والی عورتیں حیران رہ گئیں کہ آپ کے آنسو کیوں گرنے لگے ہیں۔چنانچہ کسی نے آپ سے پوچھا خیر تو ہے کیسی عمدہ اور نرم روٹی ہے اور آپ کے گلے میں پھنس رہی ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔میرے گلے میں یہ روٹی اپنی خشکی کی وجہ سے نہیں پھنسی بلکہ اپنی نرمی کے باعث پھنسی ہے۔رنج کے واقعات نے مجھے رنجیدہ نہیں کیا بلکہ خوشی کی گھڑیوں نے مجھے افسردہ بنا دیا ہے۔ایک زمانہ تھا جب محمد ﷺ ہم میں موجود تھے، انہی کی برکت سے آج یہ نعمتیں ہمیں میسر ہیں مگر آپ کا یہ حال تھا کہ مدتوں گھر میں آگ نہیں جلتی تھی اور اگر روٹی پکتی بھی تو اس طرح کہ ہم سل بٹہ پر غلّہ پیس لیا کرتے۔مجھے خیال آتا ہے کہ یہ نعمتیں جس کے طفیل ہمیں میسر آئی ہیں وہ تو آج ہم میں نہیں کہ ہم یہ نعمتیں اُس کے سامنے پیش کرتے اور دولتیں اُس کے قدموں پر نثار کرتے لیکن ہم جن کا ان کامیابیوں کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔یہ خیال تھا جس نے مجھے تڑپا دیا اور جس کی وجہ سے میدے کا نرم نرم لقمہ بھی میرے گلے میں پھنس گیا۔

(تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ 16-17)

(اس مضمون کی تیاری میں درج حوالوں کے علاوہ ''دیباچہ تفسیر القرآن'' از حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور ''انسان کامل'' از حافظ مظفر احمد صاحب سے بھی مدد لی گئی ہے)

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا مقام

سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی نسبت فرماتے ہیں:

''رسول کریم ﷺ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''کان خلقه القرآن'' آپ کے اخلاق وعادات اگر معلوم کرنا چاہو تو قرآن پڑھ لو جو کچھ اس میں لکھا ہے وہی کچھ رسول کریم ﷺ میں پایا جاتا تھا۔حضرت عائشہؓ نے یہ بات جس موقعہ پر بیان فرمائی اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں بعض لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول کریم ﷺ کے کچھ حالات سنائے جائیں۔آپ نے فرمایا ''کان خلقه القرآن'' مجھ سے حالات کیا پوچھتے ہو، قرآن پڑھ کر دیکھ لو جتنی نیک باتیں اس میں لکھی ہیں وہ سب رسول کریم ﷺ کے وجود میں پائی جاتی تھیں......

غرض جس طرح رسول کریم ﷺ کے متعلق حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا تھا کہ ''کان خلقه القرآن''۔آپ کے اخلاق عالیہ کا پتہ لگانے کے لئے تاریخی کتب کی ورق گردانی اور زید بکر سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔قرآن اٹھاؤ اور اسے پڑھ لو، جتنی اچھی باتیں ہیں وہ سب رسول کریم ﷺ میں پائی جاتی تھیں۔اسی طرح صحابہؓ کے متعلق بھی ہمیں ایک اصولی نکتہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ''۔

فرماتا ہے اے محمد ﷺ کے صحابہ کی جماعت! تم وہ ہو کہ تمہارے دلوں میں خدا نے ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور تمہاری حالت یہ ہوتی ہے کہ قرآن جو کچھ کہتا ہے تم اس پر فوری طور پر عمل کرنے لگ جاتے ہو اور اس نے ایمان کو تمہاری نظروں میں اتنا خوبصورت بنا دیا ہے کہ تمہیں اس کے بغیر چین ہی نہیں آتا۔جس طرح خوبصورت چیز کی طرف جھکتے ہو اور اسے ایک لحہ کے لئے بھی اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ''وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ'' اور اس نے کفر فسوق اور نافرمانی سے تمہیں اتنا متنفر کر دیا ہے کہ تم اس کی طرف رغبت ہی نہیں کرتے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور صحابہ دو مترادف الفاظ ہیں، اگر اسلام میں کوئی حکم پایا جاتا ہے تو صحابہؓ نے اس پر یقیناً عمل کیا ہے اور اگر صحابہؓ نے کسی بات پر عمل کیا ہے تو اسلام میں وہ ضرور پائی جاتی ہے۔جس طرح حضرت عائشہؓ نے رسول کریم ﷺ کے متعلق فرمایا تھا کہ ''کَانَ خلقه القرآن'' اسی طرح صحابہ جس بات پر عمل کریں اس کے متعلق سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اسلام میں پائی جاتی ہے اور اسلام نے جس قدر احکام دیئے ہیں ان کے متعلق سمجھ لینا چاہئے کہ ان پر صحابہؓ نے ضرور عمل کیا ہے۔''

(سیر روحانی نمبر 2 از سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفحہ نمبر 8 تا 10)

(مرسلہ: داؤد احمد عابد۔استاذ جامعۃ الاحمدیہ یوکے)

قرآنِ کریم اور تخلیق انسانی

(ڈاکٹر شمیم احمد)

دنیا میں آج تک جتنے مذہب آئے ہیں اُن کی تعلیم ایک محدود زمانہ اور محدود قوم کے لئے تھی۔ کسی ایک مذہب کو یہ اعزاز حاصل نہیں کہ اس کو دی جانے والی آسمانی کتاب کے بارہ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ اسے خدا تعالیٰ نے لفظ بہ لفظ نازل فرمایا اور اُس کی حفاظت کا وعدہ دیا گیا ہو کہ اسے ہمیشہ قائم رکھا جائے گا تا کہ وہ ہر زمانہ کے لوگوں کی رہنمائی کا سامان مہیا کر سکے۔ فقط قرآن کریم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اور ہر آنے والی قوم کے لئے نازل کیا گیا اور خدا تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورة الحجر آیت 10) اس ذکر یعنی قرآن کو ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔

چونکہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو ہر قوم اور ہر زمانہ کے لئے نازل کی گئی اس لئے لازمی تھا کہ اس میں ایسے حقائق بیان کئے گئے ہوں جو کہ ہر زمانہ کے انسان کی توجہ اور اس کے دور کے حالات کے مطابق ہوں۔ یہ اعزاز بھی دنیا کی کسی مذہبی کتاب کو حاصل نہیں۔ گزشتہ مذاہب کی کتب کسی طور پر بھی آئندہ زمانوں میں ہونے والی تبدیلیوں اور انکشافات کا ذکر نہیں کرتیں اگر کہیں ہو بھی تو بالکل سرسری طور پر ہوگا۔ قرآن کریم میں آئندہ زمانوں میں واقع ہونے والی دینی اور دنیاوی تبدیلیوں کا ذکر حیرت انگیز طور پر ملتا ہے۔ قرآن کریم میں تیز رفتار سواریوں، ایٹم بم، کاسمک ریز، تخلیقِ کائنات اور انسانی پیدائش کے علاوہ بے شمار تبدیلیوں کا بڑی تفصیل سے ذکر ملتا ہے جن میں سے بعض بڑی شان سے پوری ہو چکی ہیں اور بعض وقت کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتی جا رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

پہلے مذاہب میں مذہب اور سائنس کو دو علیحدہ امور سمجھا جاتا رہا تھا اور ہمیشہ مذہب اور سائنس کے درمیان ایک فاصلہ رکھا گیا تھا۔ یہاں تک کہ گزشتہ کتب میں بعض ایسی باتوں کا ذکر کر دیا گیا تھا یا مرورِ زمانہ کی وجہ سے انہیں بعد میں شامل کر لیا گیا تھا جو جدید سائنس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم ایک مذہبی کتاب ہے اور سائنس کی درسی کتاب نہیں ہے مگر اس میں بے شمار اور حیرت انگیز سائنسی تبدیلیوں اور پیشگوئیوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں انسانی پیدائش کا بڑی فصاحت اور تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے اور ایسے امور درج کئے گئے ہیں جو کہ ایک ایسے وقت میں ظاہر ہوئے جب کہ سائنس نے ابھی کوئی ترقی نہیں کی تھی اور نہ ہی ماڈرن تکنیکی ایجادات موجود تھیں۔ آج جب نئی ایجادات کی روشنی میں ان مضامین کا جائزہ لیا جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال قبل جو امور بیان فرمائے گئے تھے وہ بعینہٖ ویسے ہی ہیں جیسا کہ جدید علوم کی روشنی میں ظاہر ہو رہے ہیں اور سارے علوم قرآن کریم کے بیان فرمودہ مضامین کی سچائی پر شہادت دے رہے ہیں اور اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ تعلیم واقعی خدائے علیم وخبیر کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

انسان کی ہمیشہ اس بات میں دلچسپی رہی ہے کہ وہ کیسے پیدا ہوا اور اس کی پیدائش کن مراحل سے گزری ہے۔ ابتداء سے ہی انسان کو یہ ادراک حاصل تھا کہ مرد و عورت کے ملاپ سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے مگر کئی صدیوں تک اس کا علم ناقص محض تصوّراتی اور قیاس آرائیوں پر مبنی رہا۔

علم تخلیقِ انسانی کا تاریخی پس منظر

تاریخی لحاظ سے ارسطو پہلا انسان سمجھا جاتا ہے جس نے چار صدی قبل مسیح میں چوزے کے تخلیقی عمل کے بارہ میں تحریر کیا مگر اس نے انسانی تخلیق کے متعلق ایک غلط تصور بھی پیش کر دیا کہ انسان کی پیدائش مرد کے مادہ منویہ اور عورت کے حیض کے خون کے ملاپ کے نتیجہ میں عمل پذیر ہوتی ہے جو کہ ایک ناقص تصور تھا جسے بعد میں سائنس نے بالکل غلط قرار دے دیا۔ دوسری صدی عیسوی میں ایک سائنسدان گیلن (Galen) نے بچے کے گرد لپٹی ہوئی جھلیوں کے متعلق بیان کیا کہ ان کا بچے کی تخلیقی عمل میں کیا کردار ہے۔ ماں کے رحم میں جنین کس طرح پرورش پاتا ہے اور کن مراحل سے گزرتا ہے اس کے بارہ میں پندرھویں صدی عیسوی تک کوئی علم نہ تھا۔ مائیکروسکوپ کی ایجاد سترویں صدی عیسوی میں ہوئی اور پہلی مرتبہ چوزے کے تخلیقی عمل کے بارہ میں علم حاصل ہوا۔ اس وقت جو مائیکروسکوپ ایجاد ہوا تھا اس میں صرف دس گنا تک کسی چیز کو بڑا کر کے دیکھا جا سکتا تھا اور تصویر بھی اتنی واضح دکھائی نہیں دیتی تھی۔ انسانی جنین اپنی تخلیق کے کن ادوار اور مراحل سے گزرتا ہے اس کے بارہ میں بیسویں صدی تک کسی کو علم نہیں تھا۔ 1941ء میں ایک سائنسدان سٹریٹر (Streeter) نے پہلی مرتبہ جنین کی تخلیق اور مراحل کو بیان کیا اور 1971ء میں پہلی دفعہ اسے درست اور صحیح طور پر سمجھا جا سکا تھا۔

ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ جب سائنسدانوں نے پہلی مرتبہ مرد کے نطفہ (Sperm) کو مائیکروسکوپ میں دیکھا تو انہیں اس بات کا خیال آیا کہ شائد اس کے نطفہ کے اندر ہی ایک بہت چھوٹا سا بچہ یا اس کی نقاشی موجود ہے جو کہ ماں کے رحم میں پرورش پا کر ایک بچہ بن جاتا ہے۔ اس طرح یہ بھی خیال کیا گیا کہ شائد ماں کے بیضہ (Ovum) میں ہی بچے کی مورتی یا نقاشی موجود ہے جو کہ بعد میں بڑی ہو کر ایک بچے کے رُوپ میں پیدا ہو جاتی ہے۔

تخلیقِ انسانی اور ماں کے رحم میں نشو و نما کو قرآن کریم نے بڑی وضاحت کے ساتھ کئی آیات میں بیان فرمایا ہے جنہیں اگر ترتیب سے دیکھا جائے اور ان پر غور کیا جائے تو ایک حیرت انگیز تصویر ہمارے سامنے آتی ہے کہ کس طرح آج سے پندرہ سو سال قبل جب کہ سائنسی علوم سرے سے مفقود تھے یا ابھی بہت ہی ابتدائی شکل میں موجود تھے اور نہ ہی ایسی ایجادات تھیں جن سے انسانی تخلیق کے بارہ میں علم حاصل کیا جا سکتا تھا، اس وقت قرآن کریم نے وہ حقائق پیش فرمائے جنہیں آج کی جدید ترین ایجادات نے بالکل درست ثابت کیا ہے۔

پروفیسر کیتھ مور (Prof Kieth Moore) کینیڈا کی یونیورسٹی میں اناٹومی کے پروفیسر تھے اور علم تخلیقِ انسانی یعنی Embryology کے علوم میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں اور عالمی شہرت یافتہ ہیں۔ انہوں نے جب قرآن کریم کی آیات اور احادیث کا ترجمہ پڑھا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے کہ کس طرح اور کتنی تفصیل سے قرآنِ کریم نے تخلیقِ انسانی کو بالکل درست انداز میں بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک مقالہ بعنوان "Highlights of Human Embryology in the Koran and Hadith" میں تحریر فرمایا ہے کہ ''وہ سارے امور جو قرآنِ کریم نے تخلیقِ انسانی کے ضمن میں بیان پیش کئے ہیں وہ جدید ترین سائنسی علوم کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتے ہیں اور کسی طرح بھی ان کا جدید سائنس کے ساتھ اختلاف نہیں پایا جاتا۔''

پروفیسر کیتھ مور کی ایک اور کتاب "The Developing Human" بھی عالمی شہرت یافتہ ہے اور عالمی سطح پر اس کو کئی اعزازات سے نوازا گیا ہے اور کئی زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔

قرآن کریم میں تخلیقِ انسانی کا ذکر

جیسا کہ ہمیں علم ہے کہ قرآن کریم سائنس کی درسی کتاب نہیں اور اس کا اصل مقصد بنی نوع انسان کو اعلیٰ اخلاقی اور مذہبی تعلیم دینا ہے کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی کو شناخت کر کے اس سے اپنا مضبوط تعلق پیدا کر سکیں۔ چونکہ انسان خدا تعالیٰ کی اعلیٰ ترین اور اشرف المخلوقات ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ہمیشہ چاہا کہ راہِ راست سے بھٹکے ہوئے بنی نوع انسان کی اصلاح کے لئے مختلف نوع کی تعلیم پیش کی جائے تا کہ ہر طبائع اس سے مستفید ہو سکے۔ اسی لئے قرآن کریم نے بار ہا اس امر کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ کس طرح اس کی تخلیق ایک نہایت حقیر مادہ سے شروع کی اور پھر اسے اشرف المخلوقات بنا دیا۔ قرآن کریم میں تقریباً ساٹھ مقامات پر بڑی تفصیل سے انسان کی پیدائش کے مراحل اور اس کی روحانی ترقیات کا ذکر فرمایا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

زندگی کی ابتدا

قرآن کریم نے انسانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ (سورۃ المومنون:13) یعنی ''ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے خلاصہ سے بنایا ہے''۔

اس آیت کریمہ میں ''خلاصہ'' نہایت اہم امر ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ زمین میں موجود تمام نامیاتی اجزاء سے ایک نہایت لطیف طریق پر تبدیلیاں پیدا فرما کر اس سے انسانی حیات کے لئے خوراک کا انتظام فرمایا جو اس کی تخلیق کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس آیت میں سُلَالَةٍ بیان فرمایا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا بہترین حصہ نکال کر اسے علیحدہ کیا جائے۔

قرآن کریم سائنسی تکنیکی تفاصیل کو چھوڑتے ہوئے اصولی مضامین بیان فرماتا ہے جو کسی بھی مضمون کے لئے اشد ضروری ہیں۔ جدید سائنس نے ابھی تک کوئی ایسی بات پیش نہیں کی جو قرآن کریم کے پیش کردہ امور کے برخلاف ہو۔

انسانی پیدائش کے مختلف ادوار

قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ انسان کی تخلیق ماؤں کے رحم میں مختلف مراحل اور ادوار سے گزرتی ہوئی پایہ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ قرآن کریم کے نزول کے وقت یہ بات سائنسی طور پر کسی کے علم میں نہیں تھی اور نہ تخلیقی مراحل کا علم تھا بلکہ اس بات کا انکشاف بیسویں صدی میں ہوا کہ وہ مراحل کیا ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقاً مِن بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ (سورۃالزمر:7) وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے، ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش میں بدلتے ہوئے تین ظلمات میں سے گزار کر پیدا کرتا ہے۔

تین ظلمات یا پردوں کا جو ذکر فرمایا گیا ہے وہ پروفیسر کیتھ مور کے نزدیک وہ تین پردے ہیں جن کے اندر بچے کی رحم میں نشوونما ہوتی ہے۔ جس میں سب سے پہلا پردہ ماں کے پیٹ کی دیوار، اس کے بعد رحم کی جسامت کی دیوار اور تیسرا پردہ وہ جھلیاں ہیں جن میں بچہ لپٹ کر رحم میں پرورش پا رہا ہوتا ہے۔ اس کی ایک بھی وضاحت پیش کی گئی ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اس پر تین خطرات کے وقت آتے ہیں جب اسقاطِ حمل کا ڈر ہوتا ہے۔ یہ تین خطرات دوسرے سے تیسرے ماہ تک، پھر تیسرے سے پانچویں ماہ تک اور اس کے بعد آٹھویں مہینے کے شروع میں۔ اب طبّی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ یہی تین وقت ہی زیادہ تر اسقاط کے ہوتے ہیں۔ ''ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش'' رحم میں مختلف حالتوں کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے یعنی نطفہ، علقہ اور مضغہ کی کیفیت جس کی تفصیل اس مضمون میں پیش کی جائے گی۔

انسان کی پیدائش کا پہلا دور یا مرحلہ

سورۃ الطارق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ۔ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (سورۃ الطارق:8-7) یعنی وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ (پانی) پیٹھ یا سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

ان آیات میں ایک ایسا امر بیان فرمایا گیا ہے جو قرآنِ کریم کے نزول کے وقت کسی کو بھی معلوم نہیں تھا اور نہ اس کا کوئی تصور موجود تھا مگر آج سائنس کی ترقی کے وقت یہ ایک واضح حقیقت ہے۔

یہ آیات بیان فرماتی ہیں کہ تخلیق کے وقت مرد و عورت کے جسم کے وہ حصے (خصیہ اور بیضہ) جن کا تعلق افزائشِ نسل انسانی سے ہے وہ شروع میں گردوں کے پاس ریڑھ کی ہڈی اور گیارھویں اور بارھویں پسلی کے پاس پیدا کئے جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ وہاں سے نیچے کی طرف حرکت کرتے ہوئے اپنی اپنی مقررہ جگہوں پر آ جاتے ہیں۔ عورت کا بیضہ دان (Ovary) اس کے رحم کے پاس آ جاتا ہے اور مرد کے خصیہ (Testes) اس کے خصیہ دان (Scrotum) میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی ان کا تعلق ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ اس طرح قائم رہتا ہے کہ ان کے لئے خون اور اعصاب وہاں سے آتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں گیارہ مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ انسان کو نطفہ سے پیدا کیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے: ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۔ (سورۃ المومنون:14) پھر ہم نے اس کو ایک ٹھہرنے والی جگہ میں نطفہ کے طور پر رکھا۔

قرآن کریم مادہ منویہ (Seminal Fluid) اور نطفہ (Sperm) میں فرق بیان فرماتا ہے یعنی سارے مادہ منویہ سے پیدائش کا عمل شروع نہیں ہوتا بلکہ اس کے ایک حصہ یعنی نطفہ سے آغاز ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے نزول کے وقت بھی

اس حقیقت کا کوئی تصوّر موجود نہیں تھا مگر اب موجودہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مرد کے مادہ منویہ میں اوسطاً تین ملین تخم یا سپرم ہوتے ہیں جن میں سے صرف ایک عورت کے بیضہ سے مل کر تخلیق کا عمل شروع کرتا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ایک جگہ مذکور ہے: إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ (سورۃ الدھر:2) کہ انسان کو ایک ایسے نطفہ سے پیدا کیا ہے جس میں مختلف قوتیں ملی ہوئیں تھیں۔ یعنی تخلیق انسانی کے لئے جو کچھ ضروری تھا وہ تمام اس نطفہ کے اندر رکھا گیا۔ اور اب یہ بات مکمل طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ نطفہ یا مرد کے سپرم کے اندر جینیاتی مواد رکھا گیا ہے جو ہونے والے بچے کی زندگی کی خصوصیات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی نطفہ عورت کے مادہ سے مل کر تخلیق کی پہلی منزل طے کرتے ہیں جسے Zygot کہا جاتا ہے۔

انسان کی تخلیق کا دسرا دَور یا مرحلہ

تخلیق کے پہلے مرحلہ کے بعد دوسرا مرحلہ اس طرح بیان فرمایا گیا:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً (سورۃ المومنون:15) پھر نطفہ کو ترقی دے کر ایسی شکل دی کہ وہ ایک چمٹنے والا وجود بن گیا۔

مرد اور عورت کے مادہ باہم مل کر ایسا نیا وجود تیار کرتے ہیں جس میں رحم کی دیوار کے ساتھ چمٹنے کی خاصیت رکھی گئی ہے تا کہ ضائع نہ ہو جائے۔ عربی زبان میں عَلَقَةً کا لفظ خون کے لوتھڑے کی کیفیت بیان کرتا ہے جس میں چمٹنے کی خاصیت رکھی گئی ہو جس طرح جونک چمٹ جاتی ہے اسی طرح عَلَقَةً رحم میں چمٹ جاتا ہے اور اسی سے خون اور خوراک حاصل کرتا ہے۔ پہلے تین ہفتوں کے نطفہ کو اگر مائیکروسکوپ کے نیچے دیکھا جائے تو اس کی شکل ایک جونک کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ قرآن کریم کے نزول کے وقت کوئی صورت نہ تھی کہ اس قسم کا مشاہدہ کیا جا سکتا۔

تخلیق انسانی کا تیسرا دَور یا مرحلہ

قرآن کریم تخلیق کے تیسرے مرحلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً۔ (سورۃ المومنون:14) یعنی پھر اس چمٹنے والے وجود کو ایک بوٹی کی شکل میں بنا دیا۔

عربی زبان میں مُضْغَة ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جو چبائی ہوئی معلوم ہو۔ چار ہفتوں کے بعد مُضْغَة ایسی شکل اختیار کر لیتا ہے جیسے چبائی ہوئی چیز ہو دراصل اس وقت اس میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہوتی ہیں کہ وہ ایک چبائی ہوئی بوٹی کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت وہ اور مضبوطی کے ساتھ رحم کی دیوار کے ساتھ چمٹ کر اگلے مرحلہ میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

تخلیق انسانی کا چوتھا دَور یا مرحلہ

اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے قرآن کریم بیان فرماتا ہے:

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحماً ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ (سورۃ المومنین:15) یعنی پھر اس بوٹی کو ہم نے ہڈیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ پھر ان ہڈیوں پر ہم نے گوشت چڑھایا اور اس کو ایک اور شکل میں تبدیل کر دیا۔

جدید سائنس قرآن کریم کے بیان کی حرف بحرف تصدیق کرتی ہے۔

تخلیق کے مراحل میں لوتھڑے کے اندر پہلے مرکزی ہڈیاں یعنی Cartilage ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے بعد وہ ہڈیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ان ہڈیوں پر گوشت یعنی عضلات بننے شروع ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد مزید نشو و نما کے ضمن میں فرمایا: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ (سورۃ السجدہ:10) یعنی انسان کو قوت سماعت اور بصارت عطا فرمائی۔

موجودہ سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ رحم کے اندر پیدائش کے مراحل کے دوران سماعت کے اندرونی آلات پہلے تخلیق کئے جاتے ہیں اور بصارت یعنی آنکھیں اس کے بعد بنتی ہیں۔ پروفیسر کیتھ مور نے اپنے مقالہ میں تحریر کیا ہے:

”قرآنی آیات جو کچھ انسانی تخلیق کے بارہ میں بیان کرتی ہیں انہیں جاننا ساتویں صدی عیسوی میں ممکن نہ تھا حتیٰ کہ ایک سو سال پہلے تک بھی یہ ممکن نہ تھا۔ اس وقت ہم قرآنی آیات کی توجیہہ کر سکتے ہیں کیونکہ موجودہ جدید سائنس نے ہمیں اسے سمجھنے کا شعور دیا ہے۔ قرآن کریم میں دیگر آیات کو بعد میں سمجھنا آسان ہو جائے گا جب ہم سائنسی علوم میں مزید ترقی کر لیں گے“۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ بعض متعصب غیر مسلم یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کے نزول کے وقت یہ سارے علوم یونانیوں کو معلوم تھے اور ان کے توسط سے عربی زبان میں بھی دستیاب تھے اور انہی سے پیغمبر اسلام نے حاصل کر کے قرآن میں درج کر لیا۔ اس قسم کے بیانات صرف حد درجہ متعصب یا اُس دَور کے سوشل اور تعلیمی حالات سے بالکل ناواقف ہی دے سکتے ہیں۔

اخلاق پر خوراک کے اثرات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر جن عظیم الشان اسرار سے پردہ اٹھایا ہے ان میں ایک خوراک کا اخلاق پر اثر بھی ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ نہ صرف خوراک بلکہ کھانے پینے کے طریقے بھی انسان کی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کی پچیس سے زیادہ آیات میں حلال اور طیب غذاؤں کے استعمال کی ترغیب دی گئی ہے اور اشارہ دیا گیا ہے کہ طیب اور پاک خوراک ہی کے نتیجہ میں نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مُردار، خون اور سؤر کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے نیز ایسی چیز کو بھی جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اَور کا نام لیا گیا ہو۔ اب مُردار کے بارہ میں خواہ وہ بوڑھا ہو کر مرا ہو یا کسی زہر خورانی یا کسی زہریلے جانور کے کاٹنے سے مرا ہو، اس کا گوشت زہریلا اور ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی صدمہ سے مثلاً کنویں میں گر کر یا جانوروں کی باہمی لڑائی سے مرا ہو تو بھی خون میں زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر خون اپنی ذات میں ہی ایسی چیز ہے جو کئی قسم کی زہریں اپنے اندر رکھتا ہے۔

یہی حال سؤر کے گوشت کا ہے نیز سؤر میں بعض اخلاقی عیوب بھی پائے جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ خنزیر کا لفظ خنز (یعنی فاسد) اور اَر (یعنی دیکھتا ہوں) سے مرکّب ہے۔ ہندی میں اسے سؤر کہتے ہیں اور یہ لفظ بھی سوء (یعنی بُرا) اور اَر (یعنی دیکھتا ہوں) سے مرکّب ہے۔

قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ المصلح الموعود پر اعتراضات کے جوابات

(قمر داؤد کھوکھر۔ آسٹریلیا)

آج کے دَور میں میڈیا کی جو صورتِ حال ہے وہ آج سے چند دہائیاں پہلے یقیناً نہیں تھی۔ دنیا میں میڈیا کے جتنے بھی مظاہر آج نظر آتے ہیں وہ سب مغربی آزادی کے نام پر سب کچھ لکھنے، کہنے اور وڈیو کے ذریعہ تشہیر کرنے میں پورے طور پر آزاد ہو چکے ہیں۔ اور اس آزادی کی وجہ سے مذہب اور مذہبی شخصیات کا تقدّس پامال کرنے کی بھی ہر پہلو سے کوشش کی جاتی ہے۔ بعض ویب سائٹس میں خصوصیت سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے کرام (خصوصاً سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ) کو ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے۔ ایسے عوام الناس کے لئے جو حقائق کی تلاش میں انٹرنیٹ سے استفادہ کی خاطر اپنا قیمتی وقت صَرف کرتے ہیں، مضمون نگار نے ایسے چار اعتراضات کا جواب پیش کیا ہے جو بالعموم سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مقدّس ذات پر کئے جاتے ہیں۔ (مدیر)

.....

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد کے ایک فرد اور آپؑ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کی ولادت حضور علیہ السلام کی صداقت کا ایک زندہ نشان تھا۔ آپؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ''پیشگوئی مصلح موعود'' کے مصداق تھے۔ اس لحاظ سے تمام احمدیوں کے لئے آپؓ کا وجود اپنے کمالات وفضائل کی بِنا پر عظیم المرتبت ورفیع القدر وجود ہے۔ پس آپؓ پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرنے والوں کو مذہبی تعلیمات یا معاشرتی روایات کا کوئی احترام نہیں ہے۔ کیونکہ نہ صرف معاشرتی اقدار کے حوالہ سے کسی شخص کی کردار کشی کرنا ایک ناپسندیدہ فعل اور بدتہذیبی سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کے حوالہ سے بھی پردہ پوشی اور ستاری کا ہی حکم ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ وفات یافتہ لوگوں کو برا نہ کہو کیونکہ وہ اپنے مقام پر پہنچ چکے اس چیز کے ساتھ جو انہوں نے آگے بھیجی تھی۔ (یعنی مُردوں کو برا بھلا مت کہو، کیونکہ انہوں نے جیسا بھی عمل کیا تھا اس کا بدلہ پالیا)۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز، بَابُ الْمَشْيِ بِالْجَنَازَةِ وَالصَّلٰوةِ عَلَيْهَا، حدیث 1557، بحوالہ صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب 880، مَا يُنْهٰى مِنْ سَبِّ الْاَمْوَاتِ، حدیث 1304)

نیز رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: لَا تُؤْذُوا الْاَحْيَاءَ بِسَبَبِ الْاَمْوَاتِ؛ یعنی زندہ لوگوں کو ان کے وفات یافتہ افراد کی وجہ سے دُکھ نہ دو۔

(تفسیر روح البیان از علامہ محمد اسمٰعیل حقی البروسویؒ، زیر آیت لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔ البقرہ: 120)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے وفات یافتگان کی نیکیوں کا تذکرہ تو کیا کرو مگر ان کی برائیاں کرنے سے رُک جاؤ۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا، حدیث 1587، بحوالہ سنن ابوداؤد وجامع ترمذی)

☆ اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ''مرے ہوئے لوگوں کے نیک اعمال اور ان کی بھلائیوں کو اس لئے یاد اور بیان کرنا چاہئے کہ نیک اور نیکی کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ مُردوں کی نیکیوں کو بیان کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔ لیکن ان کی برائیوں کے ذکر سے بچنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طور پر ہے۔ یعنی ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کی برائیاں ذکر نہ کرے اور اس فعل سے بچتا رہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام نے لکھا ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کی غیبت زندہ لوگوں کی غیبت سے کہیں زیادہ قابل نفرین ہے۔''

(مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا، جلد 2 صفحہ 110)

☆ کسی شخص پر تنقید اور اعتراض بھی غیبت کا رنگ رکھتی ہے۔ چنانچہ معترض ایک پہلو سے اپنی نیکیاں اس شخص کو دے رہا ہوتا ہے جس کی غیبت کی جارہی ہوتی ہے۔ اس لئے مذہبی شخصیات خواہ کوئی بھی ہوں ان پر تنقید واعتراض کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اگر وہ اللہ کے مقرب ہیں تو ان کی مخالفت کرنے والوں سے حق تعالیٰ کی وعید اعلان جنگ کی صورت میں موجود ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مَنْ عَادَ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ؛ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی مَیں اس کے خلاف جنگ کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق، باب التواضع)

☆ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ پر اعتراض یا تنقید کا حق اگر ہے تو اُن کے معاصرین کو ہے۔ اور آپؓ کے معاصرین میں حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے افراد تھے یا حضورؑ کے اصحابؓ تھے جن کی گواہیاں سلسلہ کی کتب میں موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان کے لئے چار اشخاص بھلائی کی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ ہم نے کہا اور تین؟ آپؐ نے فرمایا: اور تین بھی۔ ہم نے کہا اگر دو گواہی دیں؟ آپؐ نے فرمایا اور دو بھی۔ اور پھر ہم نے ایک آدمی کی گواہی سے متعلق آپؐ سے نہیں پوچھا۔

(صحیح بخاری، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا، حدیث 1574)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا انہوں نے اس کی تعریف کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: واجب ہوگئی۔ پھر ایک اور جنازہ گزرا صحابہؓ نے اس کی برائی بیان کی آپؐ نے پھر فرمایا کہ: واجب ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: حضور کیا واجب ہوگئی؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ: وہ شخص جس کی تم نے نیک تعریف کی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ اور جس کی تم نے مذمت کی اس کے لئے آگ واجب ہوگئی۔ کیونکہ مومن زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا، حدیث 1573)

حضرت حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی گواہی

جون 1912ء میں احمدیہ بلڈنگس لاہور میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے ایک خطاب فرمایا تھا جس کے دوران آپؓ نے فرمایا کہ:"مرزا صاحب کی اولاد دل سے میری فدائی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جتنی فرمانبرداری میرا پیارا محمود، بشیر اور شریف کرتا ہے تم میں سے ایک بھی نظر نہیں آتا۔ میں کسی لحاظ سے نہیں کہتا بلکہ میں ایک امر واقعہ کا اعلان کرتا ہوں، ان کو خدا کی رضا کے لئے محبت ہے۔...... میاں محمود بالغ ہے اس سے پوچھ لو کہ وہ میرا فرمانبردار ہے۔ ہاں ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ سچا فرمانبردار نہیں۔ مگر نہیں، میں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرا فرمانبردار ہے اور ایسا فرمانبردار کہ تم (میں سے) ایک بھی نہیں۔"

(ہفت روزہ بدر، قادیان، 11 تا 18 مئی 2006ء جلد 55 شمارہ 20-19 صفحہ 16 کالم 3)

حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی کی گواہی

حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی ایک جید عالم، فاضل اور مربی سلسلہ تھے۔ آپؓ صاحب کشف ورؤیا بزرگ تھے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ:"خلافت ثانیہ (مراد خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کا زمانہ بھی اپنی شان اور برکت میں زمانہ نبوت کے بہت حد تک مشابہ ہے۔ اور وہ لوگ بہت ہی مبارک ہیں جن کو اس عہد سعادت میں سلسلہ حقہ کی خدمات انجام دینے کا موقعہ ملا ہے۔" (حیات قدسی، جلد 3 صفحہ 98)

حضرت مولانا صاحبؓ کی ایک اَور روایت ہے کہ:"ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش کس طرح ہوتا ہے؟ میں نے کہا چلئے آپ کو دکھاؤں۔ اس کے بعد میں نے اور اس دوسرے شخص نے پرواز کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ہم آسمانوں سے گزر کر عرش الٰہی کی نچلی سطح کے سامنے پہنچ گئے۔ جب ہم نے نیچے سے عرش کو دیکھا تو اس کا رنگ شفق کی طرح بالکل سرخ تھا۔ اس سرخی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی پُرعظمت شان اور جلال ظاہر ہوتا تھا۔

اس کے بعد دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی اب عرش الٰہی کو اوپر سے دیکھا جائے۔ جب ہم نے یہ ارادہ کیا تو معاً ہمیں یہ نظر آیا کہ ہم عرش کے اوپر کے ایک کنارہ پر کھڑے ہیں۔ اور ہمارے سامنے عرش کے وسط میں ایک قبہ نور کا نظر آتا ہے جس سے سورج سے بھی بڑھ کر روشن شعائیں نکل رہی ہیں اور جلال اور عظمت نمایاں ہوتی ہے۔ ہمارے دل میں اس وقت ڈالا گیا کہ یہ نورانی قبہ اللہ تعالیٰ ہے جو جلوہ نما ہو رہا ہے۔ میں نے اپنے ساتھی کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اور قریب سے دیکھنا چاہئے۔ وہ شخص تو کنارہ پر ٹھہر گیا۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچنے کے ارادہ سے آگے بڑھا۔ جب میں نے زیادہ قریب ہو کر دیکھا تو اللہ تعالیٰ کو حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے تمثّل میں جلوہ نما دیکھا۔ اس وقت مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اس زمانہ میں آسمانی حکومت کا نمائندہ اور دنیا کا فردِ عظیم جو خدا تعالیٰ کا مظہر ہے، وہ سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ الودود ہیں۔" (حیات قدسی، جلد 3 صفحہ 68)

حضرت مصلح موعودؓ کے بارہ میں مذکورہ بالا گواہی حضرت مسیح موعودؑ کے ایک جلیل القدر، صاحب رؤیا وکشوف صحابیؓ کی ہے۔

☆ احمدیوں کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ کا مقام روحانی باپ کا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ فرمایا: ہاں اگر کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ اور کوئی شخص کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم از مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب البر والصلۃ، حدیث 4697)

☆ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک حد اور درجہ مقرر فرما دیا ہوا ہے جس سے تجاوز کرنا خلاف دانش ہے۔ گفتگو ہمیشہ علم اور انصاف کے ساتھ ہونی چاہئے کیونکہ بغیر علم کے گفتگو اس قول میں داخل ہے: لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ؛ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔ (بنی اسرائیل:37)۔ عام اصول بھی یہی ہے کہ مسائل شرعیہ سے واقفیت کے بغیر دینی معاملہ میں رائے زنی کرنا گمراہ کُن ہے۔

☆ حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً بتایا گیا تھا: اِنِّيْ مُهِيْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ؛ جو تیری توہین کے درپے ہوگا میں اس سے اس توہین کا بدلہ لوں گا۔ (حقیقۃ الوحی، صفحہ 360 روحانی خزائن، جلد 22 صفحہ 373)۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جب کوئی جماعت احمدیہ کی ان بزرگ ہستیوں کی توہین سے باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انذاری وعدہ کو پورا فرمایا۔

مکرم رائے ظہور احمد خان ناصر بیان کرتے ہیں کہ 1938ء میں ہمارے حلقہ انتخاب (حافظ آباد) میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کے لئے دو امیدوار کھڑے ہوئے یعنی چوہدری ریاست علی صاحب چٹھہ، میاں مراد بخش صاحب بھٹی۔ یہ دونوں امیدوار علاقہ کے احمدیوں سے ووٹ دینے کے لئے درخواست کر رہے تھے۔ امیر جماعت جناب میاں سردار خان صاحب بھٹی نے جواب دیا کہ ہم ازخود کسی امیدوار سے امداد کا وعدہ نہیں کر سکتے، ہمارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ہمیں جو ارشاد فرمائیں گے اس کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔...... کچھ دنوں بعد حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ تشریف لے آئے اور گاؤں کی بھری مجلس میں حضورؓ کی یہ ہدایت سنائی کہ ووٹ چوہدری ریاست علی صاحب چٹھہ کو دیئے جائیں۔ یہ خلاف توقع فیصلہ سن کر چوہدری ریاست علی کے مخالفین غصہ سے تلملا اٹھے اور احمدیوں کے خلاف سبّ وشتم اور مخالفانہ مظاہروں سے علاقہ کی فضا کو مسموم کر دیا۔ علاقہ کے ایک بھٹی رئیس حاتم علی نے تو مخالفت انتہا کو پہنچا دی اور جوشِ غیظ میں نہ صرف احمدیوں کو گالیاں دیں بلکہ حضورؓ اور حضرت مسیح موعودؑ کی سخت ہتک اور توہین کا ارتکاب کیا۔ جب اُس کی بدزبانی کی انتہا ہو گئی تو حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ نے مجمع عام میں اُس کو مخاطب کر کے فرمایا:"حاتم علی! دیکھ اس قدر ظلم اچھا نہیں تیرے جیسوں کو خدا تعالیٰ زیادہ مہلت نہیں دیتا۔ یاد رکھ اگر تُو نے توبہ نہ کی تو جلد پکڑا جائے گا"۔ حضرت مولوی صاحبؓ احمدیوں کو صبر کرنے اور اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ کی دعا پڑھتے رہنے کی تلقین کر کے واپس قادیان تشریف لے گئے۔ حاتم علی آپ کے جانے کے معاً بعد بعارضہ سل بیمار ہو گیا۔ مقامی طور پر علاج کیا گیا اور آخر میو ہسپتال لاہور میں ماہر ڈاکٹروں سے بھی علاج کروایا گیا مگر قریباً چار ماہ کی شدید اور تکلیف دہ علالت کے بعد یہ معاند احمدیت اپنے سب جاہ وجلال کو چھوڑ کر دنیا سے اٹھ گیا۔

واقعہ صرف یہی نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کو حاتم علی کی بیماری اور اس کے علاج کی کیفیت متواتر بذریعہ کشف بتائی جاتی رہی۔ اور یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ سارا گاؤں اُسے دفن کرنے کے بعد بارش اور

آندھی میں واپس لوٹا تھا۔ (حیات قدسی، جلد 5 صفحہ 173-171)

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

اس تمہید کے بعد اب حضرت مصلح موعودؓ پر مخالفین کی طرف سے کئے جانے والے چند اعتراضات کا جواب پیش ہے۔

اعتراض 1: حضرت مصلح موعودؓ فرانس کے اوپیرا یا تھیٹر میں کیوں گئے؟

جواب اوّل: حضرت المصلح الموعودؓ دورہ یورپ کے دوران جب فرانس تشریف لے گئے تو وہاں یورپی معاشرے کے ایک تاریک پہلو پر نظر ڈالنے کی غرض سے وہاں کے ایک اوپیرا میں بھی گئے جس کا ذکر حضورؓ نے 17 رجنوری 1934ء کے خطبہ عید الفطر میں فرمایا۔ یہ واقعہ کسی بشری یا نفسانی خواہش کے تابع نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے ایک خالص نیت تھی جس کا اظہار حضرت مصلح موعودؓ نے فرما دیا تھا۔ ہر ایک شخص کے اپنے مصالح اور حکمتیں ہوتی ہیں جن کو وہی سمجھتا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے دل میں بھی ایسی ہی کچھ مصلحتیں تھیں جن کا آپؓ نے اظہار فرما دیا تھا اس لئے وہ جائے اعتراض نہیں۔ مقدمہ ''اوجز'' میں ہے کہ امام مالکؒ اپنی زندگی کے آخری ایام میں مدینہ منورہ میں قیام کے باوجود مسجد میں باجماعت نماز میں شامل ہونے کے لئے نہیں جاتے تھے۔ جب ان سے لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ: ''مجھے عذر ہے بعض وجوہ سے میں اس کو بیان نہیں کر سکتا''۔

فارسی کا مقولہ ہے: ''خطاء بزرگاں گرفتن خطا است'' کہ اکابر کی غلطیاں نکالنا بذات خود ایک غلطی ہے۔ لہٰذا ان کے اعمال و افعال پر اعتراض نہ کرو اگر تمہاری عقل مانے تو مان لو ورنہ ان کو حوالہ بخدا کرو کہ یہی شرفاء کا طریق ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (اور اللہ فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے کے مقابلہ میں خوب جانتا ہے)۔ (البقرہ:221)

معترضین اگر حدیث کی کتب کِتَابُ الرِّقَاقْ اور کِتَابُ الزُّهْدِ کی طرف غور کر لیتے تو وہ یہ اعتراض نہ کرتے۔ نیز حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کے مقالہ 73 کے خاتمہ پر بطور شرح لکھا ہے کہ: ''اہل حق اور اولیاء اللہ کی جو باتیں اور ان کے افعال تم کو خلاف شریعت نظر آئیں تمہارا فرض ہے کہ ان کے انکار میں جلدی نہ کرو۔ اور حتی الوسع ان میں تطبیق دو۔ بہت ممکن ہے کہ جس کو تم نے خلاف شریعت سمجھا ہو وہ شریعت کے مطابق ہو۔ کیونکہ ان لوگوں کے پیش نظر ان کے ایسے مطالب ہوتے ہیں جہاں تک عوام کی رسائی نہیں ہوتی۔'' (شرح فتوح الغیب صفحہ 39)

واقعات خضر میں ایک نکتہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کے واقعات کو سورۃ الکہف کی آیات 61 تا 83 میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے ایک وعدہ لیا تھا کہ اگر آپ میرے ساتھ چلنا چاہتے ہیں تو جب تک میں خود بیان نہ کروں آپ مجھ سے کسی پیش آنے والے واقعہ سے متعلق کچھ دریافت نہ کریں گے۔ اس کے بعد تین واقعات ہوئے یعنی حضرت خضرؑ نے کشتی توڑ ڈالی، ایک لڑکے کو قتل کر دیا اور ایک دیوار جو گر رہی تھی اس کو صحیح کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان تینوں واقعات پر اعتراض کیا اور بالآخر حضرت خضرؑ کو ان واقعات کی وضاحت کرنی پڑی اور تینوں افعال و اعمال کی مصلحت اور حکمت بیان فرمائی۔ ان آیات کی تفسیر میں ''تفسیر مظہری'' میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''(خضر نے فرمایا) اب میں آپ کو ان چیزوں کی اندرونی تشریح بتاتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ کیونکہ بظاہر وہ خلاف شریعت نظر آتی تھیں حالانکہ واقع میں مآل اور انجام کے لحاظ سے وہ بُری اور غلط نہ تھیں۔...... اختلافی مسائل میں مثبت اور منفی، ہر پہلو کی ایک وجہ ہوتی ہے اگر اللہ کا کوئی ولی اور عارف کسی ایک قول کو اختیار کرے (جو جمہور کے مسلک کے خلاف ہو) تو اس کو حکم شریعت کے خلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جہری ذکر اور سماع وغناء کے مسائل اسی طرح کے ہیں۔ اگر اللہ کا کوئی عارف سماع یا جہری ذکر کا شغل کرتا ہے تو نکتہ چینی نہ کرنی چاہئے بعض چیزیں بظاہر ممنوع نظر آتی ہیں لیکن واقع میں ایسی نہیں ہوتیں۔ ایک شخص گلاس میں شراب نما شربت پیتا ہو اور لوگوں کو دکھاتا ہو کہ یہ شراب ہے اور اس کی غرض صرف یہ ہے کہ لوگوں کا ہجوم بدگمان ہو کر اس کے پاس سے چھٹ جائے تا کہ اس کے ذکر و فکر میں خلل نہ پڑے تو اس میں کیا خرابی ہے۔''

(تفسیر مظہری زیر آیات سورۃ الکہف: 61 تا 83، از قاضی محمد ثناء اللہ مجددی پانی پتی، متوفی 1225 ہجری، یہ ہندوستان کے مشہور ولی حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ تھے۔)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تعلق میں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اعمال و افعال میں متشابہات کا پہلو جو شاذ و نادر کے طور پر پاک لوگوں میں پایا جاتا ہے یہ شریر انسانوں کے امتحان کے لئے رکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''جن عظیم الشان لوگوں کو بڑے بڑے عظیم ذمہ داریوں کے کام ملتے ہیں اور بعض اوقات خدا تعالیٰ سے علم پا کر خضرؑ کی طرح ایسے کام بھی ان کو کرنے پڑتے ہیں جن سے ایک کوتہ بین شخص کی نظر میں وہ بعض اخلاقی حالتوں میں یا معاشرتی طریقوں میں قابلِ ملامت ٹھہرتے ہیں۔ ان کے دشمنوں کی باتوں کی طرف دیکھ کر ہرگز بدظن نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اندھے دشمنوں نے کسی نبی اور رسول کو اپنی نکتہ چینی سے مستثنیٰ نہیں رکھا۔ مثلاً وہ موسیٰ مرد خدا جس کی نسبت توراۃ میں آیا ہے کہ وہ زمین کے تمام باشندوں سے زیادہ تر حلیم اور امین ہے۔ مخالفوں نے اس پر یہ اعتراض کئے کہ گویا وہ نعوذ باللہ نہایت درجہ کا سخت دل اور خونی انسان تھا...... ایسا ہی حضرت مسیحؑ پر بھی ان کے دشمنوں نے اعتراض کیا ہے کہ وہ تقویٰ کے پابند نہ تھے...... ایسا ہی عیسائیوں نے ہمارے نبی ﷺ کی عفت اور تقویٰ اور امانت پر اعتراض کئے ہیں۔ ...... اور ایسا ہی روافض نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی عفت اور امانت اور دیانت اور عدالت پر انواع و اقسام کے عیب لگائے ہیں۔...... اور ایسا ہی خوارج حضرت علیؓ کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ تو اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ صدیق کے لئے تقویٰ اور امانت اور دیانت شرط ہے تو...... کیوں خدا نے ان کے حالات کو عوام کی نظر میں مشتبہ کر دیا...... حالانکہ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ نہ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں نہ نبی ہونے کا۔ اور نہ اپنے تئیں ولی اور امام اور خلیفۃ المسلمین کہلاتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ کوئی اعتراض ان کے چال چلن اور زندگی پر نہیں ہوتا۔ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیا کہ تا اپنے خاص مقبولوں اور محبوبوں کو بدبخت شتابکاروں سے جن کی عادت بدگمانی ہے مخفی رکھے جیسا کہ خود وجود اس کا اس قسم کی بدظنی کرنے والوں سے مخفی ہے۔...... وہ قصہ جو قرآن شریف میں حضرت آدم صفی اللہ کی نسبت مذکور ہے...... اپنے اندر یہ پیشگوئی مخفی رکھتا ہے کہ اہل کمال کی ہمیشہ نکتہ چینی ہوا کرے گی۔

خداتعالیٰ نے اسی غرض سے خضرؑ کا قصہ بھی قرآن شریف میں لکھا ہے تا لوگوں کو معلوم ہو کہ ایک شخص ناحق خون کرکے اور یتیموں کے مال کو عمداً نقصان پہنچا کر پھر بھی خداتعالیٰ کے نزدیک بزرگ اور برگزیدہ ہے۔ ہاں اس سوال کا جواب دینا باقی رہا۔ اس طرح پر امان اٹھ جاتا ہے اور شریر انسانوں کے لئے ایک بہانہ ہاتھ آجاتا ہے۔...... اس اشکال کا جواب یہی ہے کہ ایسے اعتراضات صرف بدظنی سے پیدا ہوتے ہیں اگر کوئی حق کا طالب اور متقی طبع ہے تو اس کے لئے مناسب طریق یہ ہے کہ ان کاموں پر اپنی رائے ظاہر نہ کرے جو متشابہات میں سے اور بطور شاذ و نادر ہیں۔ کیونکہ شاذ و نادر میں کئی وجوہ پیدا ہو سکتے ہیں۔...... اور نہیں جانتے کہ یہ متشابہات کا پہلو جو شاذ و نادر کے طور پر پاک لوگوں میں پایا جاتا ہے یہ شریر انسانوں کے امتحان کے لئے رکھا گیا ہے۔ اگر خداتعالیٰ چاہتا تو اپنے پاک بندوں کا طریق اور عمل ہر ایک پہلو سے ایسا صاف اور روشن دکھلاتا کہ شریر انسان کو اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی۔ مگر خداتعالیٰ نے ایسا نہ کیا تا وہ خبیث طبع انسانوں کا خبث ظاہر کرے۔ نبیوں اور رسولوں اور اولیاء کے کارناموں میں ہزارہا نمونے ان کی تقویٰ اور طہارت اور امانت اور دیانت اور صدق اور پاس عہد کے ہوتے ہیں اور خود خداتعالیٰ کی تائیدات ان کی پاک باطنی کی گواہ ہوتی ہیں۔ لیکن شریر انسان ان نمونوں کو نہیں دیکھتا اور بدی کی تلاش میں رہتا ہے آخر...... ہلاکت کی راہ اختیار کرکے جہنم میں جاتا ہے۔" (تریاق القلوب، روحانی خزائن، جلد 15 صفحہ 420 تا 425۔حاشیہ)

جواب دوم: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعتراضات اور نکتہ چینیوں کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے تائیدی نشانات اور عظیم الشان نصرت کو ہی اصل معیار قرار دیا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

"پس چونکہ تہمتوں کا معقولی طور پر جواب دینا ایک نظری امر تھا اور نظری امور کا فیصلہ مشکل ہوتا ہے اور تاریک طبع لوگ اس سے تسلّی نہیں پکڑتے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے نظری راہ کو اختیار نہیں کیا۔ اور نشانوں کی راہ اختیار کی اور اپنے نبیوں کی بریت کے لئے اپنے تائیدی نشانوں اور عظیم الشان نصرتوں کو کافی سمجھا کیونکہ ہر ایک غبی اور پلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ نعوذ باللہ ایسے ہی نفسانی آدمی اور مفتری اور ناپاک طبع ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ ان کی نصرت کے لئے ایسے بڑے بڑے نشان دکھائے جاتے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن، جلد 21 صفحہ 90-89)

خلافت ثانیہ کے دور میں اللہ تعالیٰ کے تائیدی نشانات اور عظیم الشان نصرتوں کے واقعات 'تاریخ احمدیت' کا سنہری ورق ہیں۔

جواب سوم: ایسا واقعہ منصب خلافت یا شان خلافت کے منافی نہیں کیونکہ انبیاء سے بھی ایسے امور صادر ہوتے ہیں جو بظاہر ایک ظاہر پرست کے لئے قابل اعتراض ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں ذکر ہے کہ نماز فجر کے لئے آپؐ کی آنکھ نہ کھل سکی تھی۔ چونکہ یہ فعل شان نبوت کے خلاف نہ تھا اس لئے نبی اکرمؐ کی ذات والہ صفات سے صادر ہوا۔ اسی طرح نماز میں سہو ہو جانا رسول اللہ ﷺ سے متعدد بار پیش آیا جس کے بارہ میں خود آنحضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ: اِنِّیْ لَاَنْسٰی وَلٰکِنْ اُنْسٰی؛ یعنی میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تا کہ سنّت کا طریقہ جاری کرجاؤں۔ (موطا امام مالکؒ)

(باقی آئندہ)

خلافت کے مقام کی اہمیت

سیدنا حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

"خلافت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ جس وقت خلیفہ کے منہ سے کوئی لفظ نکلے اس وقت سب سکیموں، سب تجویزوں اور سب تدبیروں کو پھینک کر رکھ دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اب وہی سکیم وہی تجویز اور وہی تدبیر مفید ہے جس کا خلیفہ وقت کی طرف سے حکم ملا ہے۔ جب تک یہ روح جماعت میں پیدا نہ ہو اس وقت تک سب خطبات رائیگاں، تمام سکیمیں باطل اور تمام تدبیریں ناکام ہیں۔"

(الفضل 31/ جنوری 1936ء)

بقیہ از صفحہ 15: حضرت مصلح موعودؓ کی شخصیت

تجربہ جسے حضور نے ان بھرپور متلاشی نظروں سے دیکھا ہوا ہے اس کی کنہ سے خوب خوب واقف ہے۔

عموماً آپ بات بے روک ٹوک کرتے تھے میں نے کبھی آپ کو لفظوں کو چباتے ہوئے نہیں دیکھا۔ روزمرہ کی گفتگو میں بھی تقریر کی سی روانی تھی۔ زبان صاف شستہ اور شگفتہ تھی۔ آواز تمام مردانہ صفات سے آراستہ اور پُرجذب وکشش تھی۔ گفتگو میں تیزی کے وقت بھی بے وقراپن کبھی نہیں آیا اور کبھی لہجہ میں افراتفری نہیں پائی گئی۔ چہرے کے آثار جذبات اور گفتگو کا پورا پورا ساتھ دیتے تھے۔ اُداس گفتگو کے وقت چہرہ ویسا ہی اداس اور پُرمزاح کلام کے وقت ویسا ہی شگفتہ ہو جاتا تھا۔ چہرے کے اس بے لاگ اظہار میں میں نے تکلف کا شائبہ تک نہیں دیکھا اس چہرہ پر غصہ بھی سجتا تھا، غم بھی سجتا تھا، خوشی بھی سجتی تھی۔ شدید ترین غصے کی حالت میں بھی میں نے اس کے نقوش کو بگڑتے نہیں دیکھا۔ ہاں سورج کی طرح وہ تابناک ضرور ہو جاتا تھا۔ غم کے اثرات آپ کے چہرے کو بے رونق نہیں بلکہ عجب پُرسوز و گداز بنا دیتے تھے۔ جس کا نظارہ دیکھنے والے دل کو پگھلاتا تھا۔ خوشی کے موقع پر چہرے کی تازگی اور شگفتگی نظر کو خیرہ کرتی اور سینے کو مسرت سے بھر دیتی تھی۔

آپ کا قد درمیانہ چھاتی چوڑی اور جسم بھرا ہوا اور مضبوط تھا۔ رفتار تیز تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے احادیث نبوی میں سرور دوعالم حضرت رسول اکرم ﷺ کی رفتار کے بارہ میں جو آتا ہے حضور بھی اسی سنت کی پیروی فرما رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اسی تیز رفتاری کے ساتھ چلا کرتے تھے۔ حضور کی رفتار نہایت باوقار ہونے کے باوجود اس قدر تیز تھی کہ عام آدمی دوڑ دوڑ کر ساتھ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

(ماہنامہ مصباح نومبر، دسمبر 1965ء)

حضرت مصلح موعودؓ کی شخصیت

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) کی ایک خوبصورت تحریر

حضور کی شخصیت سے متعلق کچھ لکھنا اس لئے میرے لئے ایک مشکل امر ہے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس مضمون کا حق ادا کرنا میری بساط سے باہر ہے اپنے فہم اور بیان کی تمام قوتیں صرف کر دینے کے باوجود بھی میں حضور کے حسن کا احاطہ کرنے سے بُری طرح قاصر رہوں گا پھر ابھی تو اپنے فہم و بیان کی ساری قوتیں بھی میرے اختیار میں نہیں ابھی تو ذہن کی کیفیت کچھ ایسی ہی ہے جیسے بلندی سے گرنے کے بعد کسی کے اوسان پراگندہ ہو چکے ہوں۔ایک کھویا کھویا سا نیم خوابیدگی کا عالم ہے صدمہ کا احساس تو ہے مگر اس کی کمیت اور کیفیت کے بیان کی طاقت نہیں مضمون شروع تو کر بیٹھا ہوں لیکن اس کے کسی پہلو پر ہاتھ ڈالتے ہوئے جی سخت گھبرا رہا ہے اور رُک رُک کر پُر درد احتجاج کرتا ہے جیسے کسی ناتواں کو طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھانے کا حکم دے دیا گیا ہو!

حضور کی زندگی میں بھی حضور کی شخصیت کا ایسا رعب دل پر طاری تھا کہ بسا اوقات پیش ہوتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی تھی آج آپ کے وصال کے بعد آپ کی شخصیت کی یاد بھی ویسی ہی پُر رعب اور پُر شوکت ہے ہمیشہ آپ کے قرب سے ایسا احساس ہوا کرتا تھا جیسا ہمالہ کے دامن میں انسان کو اپنی بے بضاعتی اور بے حقیقتی کا احساس ہوتا ہے۔خدا گواہ ہے کہ زندگی بھر مجھے کسی دوسرے انسان کے سامنے کمزوری اور بے طاقتی کا ایسا احساس نہیں ہوا۔بلکہ حضور کے سوا کسی انسان کی شخصیت بھی مجھ پر اس طرح تو کیا ایک ذرہ بھی حاوی نہیں ہو سکی اور ہر دوسرا انسان مجھے اسی سطح پر کھڑا ہوا نظر آتا ہے جس سطح پر میں خود اس سے ہم کلام ہوتا ہوں۔لیکن جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں میرے مقرب بارگاہِ الٰہی آقا کی شخصیت ایک استثنائی رعب اور نرالی شان اپنے اندر رکھتی تھی وہ ہر انسان پر سایہ ڈالتی تھی مگر اس پر خدا کے سوا اور کسی کا سایہ نہ تھا۔وہ شخصیت محض ایک بلند و بالا چٹان کا رعب ہی نہیں ایک شاداب جہان کی وسعت اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھی۔ میں پھر اپنے خدا ہی کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ جس سے بہتر اس محبوب جان کی حقیقت سے کوئی واقف نہ تھا کہ ایسی ہمہ گیر صفات کے حامل انسان شاذ شاذ ہی دنیا کے پردے پر ابھرتے ہیں۔وہ ایک انسان نہیں ایک امت تھے ایک پھول نہیں ایک گلدستۂ صفات حسنہ تھے پورے چمن کی زینت آپ کی تنہا ذات میں مضمر تھی ہر گل کی بُو سے خوش ہر کلی کی دل آویزی، ہر لالہ کی رنگینی، ہر سرو وصنوبر کا وقار، ہر نرگس وسوسن کا معصوم حسن، ہر قمری کا لحن، ہر بھنورے کی جستجو، ہر مرغ چمن کا سوز وساز، بہار کی شگفتگی بھی تھی تو خزاں کی اداسی بھی، ہر صبح کی اُمید بھی تھی تو ہر شام کا تفکر بھی، کاش مجھے قدرت ہو کہ میں اس پیارے وجود کے حسن واحسان کا ایک ایک جز ونکھار کر قارئین کے سامنے لاکھڑا کروں۔وہ وجود جس کے حسن نے مجھے گرویدہ اور جس کے احسان نے اسیر در بنا رکھا ہے کاش رعب حسن کا یہ پردہ اب تو ہمارے درمیان حائل نہ رہے جبکہ وہ حسن نظّارسوز ہی نظروں سے اوجھل ہو چکا۔

آپ ایک کوہ وقار تھے، وفا کے پتلے، جرأت کا ایک نشان، عدل وانصاف کے بے لاگ ترازو، لطیف احساسات کے آبگینے، سب زندہ لوگوں میں سب سے زیادہ شجاع، سب سے بڑھ کر حلیم، غیور، ہمدرد، شفیق ومہربان، قانع، متوکل، مہمان نواز، وسیع حوصلہ، وسیع خیال، مردم شناس، ہر صاحب فضیلت کا اکرام کرنے والے، ہر تہی دست پر لطف وعنایت کی نظر رکھنے والے، صاحب لطافت وظرافت، نجیب و نظیف، علوم ظاہری و باطنی سے پُر، ایک باکمال ادیب اور بلند پایہ شاعر، ایک ماہر فن طبیب، تجربہ کار ہومیو پیتھ، ایک عظیم مصنف، ایک بے بدل مقرر، ایک لاجواب منتظم، مؤرخ، مدبر، مفکر، عالمی سیاست کا گہرا ادراک رکھنے والے......

......مبالغہ کیسا میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایسے پیارے وجود دنیا میں کم آتے ہیں۔ ذرا جاؤ اور چراغ لے کر ڈھونڈو۔ بستی بستی قریہ قریہ چھان مارو صفات حسنہ میں تمہیں ایک بھی ایسا قد آور جوان نظر نہ آئے گا۔ دنیا کو اخلاقیات کا درس دینے والے بڑے بڑے سورما تو اس کے ٹخنوں تک بھی نہیں پہنچتے۔سید ولدِ آدم ﷺ کا یہ غلام آسماں کے تلے اکیلا تھا۔آقائے عربی کے حسن واحسان کا یہ خوشہ چین اپنے وقت کے ہر دوسرے انسان پر بازی لے گیا، احمد قادیانی کی دعاؤں کا یہ کرشمہ، حسن واحسان میں خود اسی کی نظیر، بناء اخلاقیات کا یہ بطل جلیل وقت کا رستم زماں ٹھہرا۔ اس کے جوڑ کا اور کوئی پہلوان زندگی بھر اس کے مقابل نہ آیا کیونکہ اس کے جوڑ کے کسی اور پہلوان کا کوئی وجود ہی نہ تھا......وہ تابندہ و درخشندہ خلیفہ بے مثل ستاروں کے جھرمٹ میں تھا۔ وہ جس کے اجالے کے گرد قمر الانبیاء پروانہ وار گھومتے رہے اور وہ جس کی اطاعت کا جؤا پہنے "وہ بادشاہ آیا" جس کو غلام رسول، عبدالرحیم، محمد صادق اور شیر علی سے مصاحب عطا ہوئے۔ جس کے سامنے روشن علی، سرور شاہ اور اسحٰق نے زانوئے تلمذ طے کیا، وہ جس کے ہاتھوں نے جلال الدین اور ابوالعطاء جیسے مجاہدین اسلام تیار کئے......

آپ کا رنگ کُھلا ہوا گندمی اور چہرہ مردانہ حسن سے مرقع تھا۔کشادہ پیشانی، ستواں ناک، روشن بڑی بڑی آنکھیں جو عموماً نیم باز رہتی تھیں لیکن گردوپیش کے ہر اونچ نیچ حرکت وسکون سے پوری طرح باخبر ہوتی تھیں۔ جب آنکھ اٹھا کر بھرپور نگاہ سے دیکھتے تھے تو وہ پُر تاثیر نظر بے روک ٹوک دل کی گہرائی تک اتر جاتی تھی۔ ایسے مواقع پر بسا اوقات ایسا احساس ہوتا تھا جیسے اندھیرے میں راستہ چلتے اچانک کسی ٹارچ کی بھرپور روشنی چہرہ پر آپڑے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دل کے سب چھوٹے چھوٹے راز اس روشنی کے نیچے ننگے ہو رہے ہیں۔ لیکن اس سے پرے کون کیا دیکھ رہا ہے اس کا علم کچھ نہیں۔ میرے لئے اس کیفیت کا بیان مشکل ہے مگر ہر صاحب

باقی صفحہ 14 پر ملاحظہ فرمائیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا پُر جلال حلفیہ بیان

''مَیں ہی پیشگوئی مصلح موعود کا مصداق ہوں''

جب اللہ تعالیٰ نے 5 اور 6 جنوری 1944ء کی درمیانی رات کو ایک رؤیا کے ذریعہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پر یہ منکشف فرمایا کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق ہیں تو آپ نے 20 فروری 1944ء کو ہوشیار پور کے مقام پر ایک عظیم الشان جلسہ میں اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔ آپ کا یہ اعلان خاص تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ مزید برآں اس کا لفظ لفظ اس امر پر گواہ ہے کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے اصل اور حقیقی مصداق ہیں۔ آپ نے فرمایا:

''آج (20 فروری 1944ء) سے پورے اٹھاون سال پہلے جس کو آج انسٹھواں سال شروع ہو رہا ہے 20 فروری کے دن 1886ء میں اس شہر ہوشیار پور میں اس مکان میں جو کہ میری انگلی کے سامنے ہے ایک ایسے مکان میں جو کہ اس وقت شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کا طویلہ کہلاتا تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ وہاں رہائش کا اصلی مقام نہیں تھا بلکہ ایک رئیس کے زائد مکانوں میں سے وہ ایک مکان تھا جس میں شاید اتفاقی طور پر کوئی مہمان ٹھہر جاتا ہو یا سٹور بنا رکھا ہو یا حسب ضرورت جانور باندھے جاتے ہوں قادیان کا ایک گمنام شخص جس کو خود قادیان کے لوگ بھی پوری طرح نہیں جانتے تھے لوگوں کی اس مخالفت کو دیکھ کر جو اسلام اور بانئ اسلام سے وہ رکھتے تھے اپنے خدا کے حضور علیحدگی میں عبادت کرنے اور اس کی نصرت اور مدد طلب کرنے کے لئے آیا اور چالیس دن علیحدگی میں اس نے خدا تعالیٰ سے تضرع کے ساتھ دعائیں کیں۔ ان دعاؤں کے نتیجہ میں خدا نے اس کو ایک نشان دیا۔ وہ نشان یہ تھا کہ میں تم کو نہ صرف یہ کہ جو تمہارے ساتھ میرے وعدے ہیں ان کو پورا کروں گا بلکہ ان وعدوں کو زیادہ شان اور زیادہ عظمت کے ساتھ پورا کرنے کیلئے میں تمہیں ایک خاص بیٹا دوں گا۔ وہ اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا۔ کلام الٰہی کے معارف لوگوں کو سمجھائے گا۔ رحمت اور فضل کا نشان ہوگا اور دینی اور دنیوی علوم جو اسلام کی اشاعت کے لئے ضروری ہیں اسے عطا کئے جائیں گے۔ اللہ اسے لمبی عمر دے گا یہاں تک کہ وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت حاصل کریں گی۔

یہ اعلان بانئ سلسلہ احمدیہ نے یہیں ہوشیار پور سے شائع فرمایا اور اس وقت شائع فرمایا جب ابھی تک سلسلہ احمدیہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ قادیان ایک چھوٹی سی بستی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جہاں تک دنیوی وجاہت کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے ذاتی طور پر کوئی عزت حاصل نہیں تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا خاندان ایک معزز زمیندار خاندان تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطنت مغلیہ کے عہد میں اس خاندان کو بڑی عزت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے عہد میں بھی اس خاندان کے افراد کو بعض معزز عہدے حاصل رہے۔ لیکن وہ خاندان قدیم عزت کھو چکا تھا اور بعض وجوہ سے انگریزی زمانہ میں اس کی جائیداد کا اکثر حصہ ضبط ہو چکا تھا اور اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دنیوی حیثیت ایک معمولی زمیندار کی سی تھی اور پھر آپؑ کو اپنی عزت بڑھانے کا بھی شوق نہ تھا۔ باپ نے انہیں بار بار توجہ دلائی کہ وہ ملازمت اختیار کر لیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ایسا شخص اس زمانہ میں اعلان کرتا ہے کہ میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام کو پھیلائے گا اور پھر میرے کام کو لمبا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مجھے ایک خاص بیٹا دے گا جو 9 سال کے اندر پیدا ہوگا اور ان ان خاص صفات سے متصف ہوگا اور میرا جانشین ہوگا اور دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ یہ خبر ایسی زبردست خبر ہے کہ کوئی انسان ایسی خبر دینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آخر یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

جس لڑکے کا میں نے ذکر کیا ہے وہ مَیں ہی ہوں۔ میرے ذریعہ اس پیشگوئی کی بہت سی شقیں پوری ہو چکی ہیں اس لئے جماعت کا اصرار تھا کہ میں اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا اعلان کروں مگر میں خاموش رہا۔ حتیٰ کہ گذشتہ جنوری کے مہینہ میں لاہور میں مجھے ایک رؤیا دکھایا گیا۔ جس میں مجھے بتایا گیا کہ اس پیشگوئی کا میں ہی مصداق ہوں......

مَیں اس واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں نے جو رؤیا بتائی ہے وہ مجھے اسی طرح ہوئی ہے۔ الا ماشاء اللہ کچھ خفیف سا فرق نظارہ کے بیان کرنے میں ہو گیا ہو تو علیحدہ بات ہے۔ پس میں خدا کے حکم کے ماتحت قسم کھا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی کے مطابق آپ کا وہ موعود بیٹا قرار دیا ہے جس نے زمین کے کناروں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچانا ہے۔......

مَیں آسمان کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں، زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں، ہوشیار پور کی ایک ایک اینٹ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ دنیا میں پھیل کر رہے گا۔ حکومتیں اگر اس کے مقابلہ میں کھڑی ہوں گی تو مٹ جائیں گی، بادشاہتیں کھڑی ہوں گی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی۔ لوگوں کے دل سخت ہوں گے تو فرشتے ان کو اپنے ہاتھ سے ملیں گے یہاں تک کہ وہ نرم ہو جائیں گے اور ان کے لئے احمدیت میں داخل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔''

(الفضل 24 فروری 1944ء)

مثالی طالب علم

احمدیہ لٹریچر سے علم دوستی، علم پروری کے واقعات سے انتخاب

آخری قسط

(مرتبہ : طارق حیات
مربی سلسلہ احمدیہ)

زرّیں نصائح

مکرم محمد اقبال صاحب، کنری ضلع عمرکوٹ بتاتے ہیں کہ

''خاکسار کا بیٹا عزیز محمود احمد انجم جامعہ احمدیہ ربوہ میں زیر تعلیم تھا اور پڑھائی میں کمزور تھا۔ ایک بار خاکسار اپنے بیٹے کو لے کر محترم ناظر صاحب اعلیٰ کے دفتر میں میاں صاحب کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے بیٹے کو سمجھائیں کہ یہ واقف زندگی ہے، اس نے خود زندگی وقف کی ہے، یہ پڑھائی میں کمزور ہے آپ اس کے لئے دعا کریں۔ خاکسار اس بچہ کو آپ کے سپرد کرتا ہے۔ آپ اس کی تعلیم کی نگرانی فرمائیں۔ یہ مجھ پر احسان عظیم ہوگا۔ آپ نے عزیزم محمود احمد انجم کو کہا کہ آئندہ آپ مجھ سے ملتے رہنا اور ہر ماہ اپنی تعلیم کی رپورٹ دینی ہے۔ دو تین ماہ بعد جب خاکسار دوبارہ ربوہ گیا اور اپنے بیٹے کو کہا کہ جب آپ میاں صاحب سے ملتے ہیں تو میاں صاحب کیا فرماتے ہیں؟ بیٹے نے مجھے کہا کہ میاں صاحب نے فرمایا ہے کہ روزانہ 2 نفل ضرور پڑھا کرو اور روحانی خزائن کا مطالعہ سونے سے پہلے کیا کرو۔ ہر ماہ کوشش کر کے جیب خرچ سے ایک کتاب خرید ا کرو۔''

(تشحیذ الاذھان ، سیدنا مسرور ایدہ اللہ نمبر صفحہ 59تا 60)

مثالی طالب علم اور جماعتی ڈیوٹیاں

حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب 1934ء کے حالات کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ مارچ کا واقعہ ہے کہ غیر احمدی علماء نے قادیان میں ایک بہت بڑا جلسہ کرنا چاہا جس میں دور ونزدیک سے لوگ جمع ہونے تھے۔ جلسہ کرنے والوں کے بہت ہی بدارادے ظاہر ہوتے تھے اور فسادات کا پورا اندیشہ تھا۔ حکومت کو توجہ دلائی گئی مگر اس نے موقع کی نزاکت کو نہ سمجھا۔ ایک مجسٹریٹ اور چند سپاہی بھیج دیئے۔ ان حالات میں قادیان کی حفاظت کی ضرورت پیش آئی۔ جمعے کا دن تھا۔ نماز کے بعد امیر (جماعت لاہور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان) صاحب نے فرمایا کہ احمدیہ ہوسٹل کے تمام طلباء رات کی گاڑی سے قادیان کے لئے روانہ ہو جائیں۔ مارچ کا مہینہ تھا۔ یونیورسٹی کے امتحان عین قریب تھے۔ خاکسار نے بغرض اطمینان استصواب کیا کہ آیا امتحان دینے والے طلباء بھی پابند ہیں؟ امیر صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ اس دفعہ ان کا امتحان قادیان میں ہی ہو جائے گا۔

مقصد یہ تھا کہ امتحان سے بدرجہا زیادہ ضرورت مرکز کی حفاظت کی ہے۔ رات کی گاڑی پر ہم سب طلباء پہنچ گئے اور امیر صاحب خود ہمارے ساتھ روانہ ہوئے، رات کے ساڑھے بارہ بجے گاڑی بٹالہ اسٹیشن پر پہنچی ہم میں سے بعض طلباء نے ادھر ادھر جا کر یکوں کو تلاش کرنا چاہا۔ اس پر کسی نے بتایا کہ امیر صاحب پیدل ایک فرلانگ آگے نکل گئے ہیں اس پر سب طلباء پیدل چل پڑے اور بڑی تیز قدمی سے امیر صاحب آگے اور باقی دوست ان کے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ جو طلباء بھاری بھرکم تھے انہیں چلنا مشکل تھا۔ بعض کو ہم نے کندھوں پر اٹھا کر چلنا شروع کیا۔ ہنسی خوشی یہ تیرہ میل کا کچا راستہ طے ہوا اور صبح چار بجے کے قریب ہم قادیان پہنچ گئے اور یکہ بھی تقریباً اتنے وقت میں پہنچتا ہے۔

مارچ کا مہینہ رات کی ہلکی ہلکی سردی۔ نہایت تیز قدم سفر۔ ہم سب کو انتہائی بھوک لگی۔ مسجد مبارک کے نیچے یوسف خان صاحب کی دکان کھلوائی ان کے پاس سے دو ڈیڑھ سیر چھوارے نکلے وہ کھالئے اور قیمت ادا کر کے ہم نے لنگر کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں کھانا کہاں ہوسکتا تھا۔ ایک پیپے کی تہہ میں دال تھی اور روٹیوں کے کچھ ٹکڑے تھے۔ لنگر کا خادم کف گیر تلاش کرنے لگا یہاں اتنی برداشت کسے تھی روٹی کے ایک ٹکڑے کو کف گیر بنایا اور پیپے سے دال نکال کر باقی روٹی کے ٹکڑوں پر ڈال کر اللہ عزیز کر کے وہ ٹکڑے کھالئے۔

صبح کو ہماری ڈیوٹی بہشتی مقبرہ کی حفاظت قرار پائی اور ہم سب حضرت مسیح موعودؑ کے مزار کے عین گرد پہرہ دینے لگے۔ چاروں طرف پہرے کی تین قطاریں تھیں۔ یہ پہرہ تھا جو دن رات چوبیس گھنٹے جاری رہتا تھا۔ رات کو پاس ورڈ یعنی شعار بتا کر گزرنا ہوتا تھا۔

اب یہاں پر ایک لطیفہ ہے ایک رات پاس ورڈ صداقت تھا ایک زمیندار دوست جو گزرنے لگا تو پہرے دار کے دریافت کرنے پر اس نے کہا سناقت بجائے صداقت۔ دوسرے نے کہا بھائی صاحب اب تو آپ یہیں بیٹھ جائیں آپ کے افسر کو بلاتے ہیں جس نے اب تک آپ کو صحیح لفظ نہیں سکھایا۔

ایک رات خلیفۃ المسیح الثانیؓ پہرے کے انتظام کا جائزہ لینے کے لئے بہشتی مقبرہ میں تشریف لائے۔ پہرے دار نے حضورؓ کو نہیں پہچانا اور روکنا چاہا مگر معلوم ہونے پر اس نے راستہ دے دیا۔ حضورؓ پہرے کے انتظام سے بہت خوش ہوئے اور چاروں طرف کا جائزہ لے کر با اطمینان تشریف لے گئے۔

ایک دن امیر صاحب مع مجسٹریٹ کے بہشتی مقبرہ میں تشریف لائے۔ ہم سب طلباء دوپہر کا کھانا صفوں میں بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے۔ امیر صاحب نے ہماری طرف اشارہ کر کے مجسٹریٹ کو بتایا کہ یہ ہمارے گریجوایٹ ہیں۔

فساد کا خطرہ ہر وقت رہتا تھا اس لئے پہرہ ہر وقت چست رہتا تھا۔ تیسری رات کا ذکر ہے کہ رات کے تین بجے تھے۔ گیس کے لیمپ مقبرے میں روشن تھے۔ اطلاع ملی کہ فساد کا خطرہ پیش آ گیا ہے ذوالفقار علی صاحب مرحوم (برادر اکبر محمد علی، شوکت علی صاحبان) بہشتی مقبرہ کے انچارج تھے انہوں نے ایک بلند جگہ پر چڑھ کر بڑی گرج دار آواز میں پوچھا کہ کیا جانیں دینے کے لئے تیار ہو؟ سینکڑوں

آدمی پہرے دار تھے۔ ہر ایک کا جواب تھا کہ بڑی خوشی سے، دس منٹ تک ہم انتظار میں رہے۔ اتنے میں پیغام آیا کہ خیریت ہے۔

اس کے بعد جب غیر احمدیوں کا جلسہ ختم ہوگیا تو پہرہ مقبرے سے ہٹا لیا گیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مسجد مبارک سے ملحق مرزا گل محمد صاحب کی حویلی کے صحن میں جو بڑا وسیع تھا ایک نہایت رقت انگیز تقریر کی۔

اس کے بعد ہم قادیان سے واپس ہوئے خاکسار اور شیخ بشیر احمد صاحب یکے میں سوار تھے اور ہمارے پیچھے امیر صاحب کا یکہ چلا آرہا تھا بٹالہ سے چار میل ادھر دوانی وال کا تکیہ تھا، میرا یکہ ایک ٹھوکر پر چڑھ گیا اور الٹ گیا اور تمام یکہ میرے جسم پر آپڑا۔ میرے کندھے کی ہڈی ٹوٹ گئی محترم بشیر صاحب کہتے ہیں کہ میں یہ کہتے ہوئے بے ہوش ہوگیا:

Look to my arm, look to my arm

پانی لایا گیا اور میرے منہ پر چھڑکا گیا ذرا ہوش آنے پر میرا بازو میری پگڑی سے باندھ دیا گیا۔ میں ایک کربناک حالت میں تھا اور میرا سنبھلنا مشکل ہو رہا تھا۔ پہلے صلاح ٹھہری کہ بٹالہ کے ہسپتال میں داخل کیا جائے پھر یہ تجویز ہوئی کہ نہیں لاہور ہی لے جایا جائے۔ ایک احمدی طبیب میرے یکے میں تھے۔ ان کی رائے تھی کہ لاہور لے جانا بہتر ہوگا۔ امیر صاحب نے مجھے اپنے یکے میں ڈال لیا اور وہ چار میل کا راستہ بڑے درد و کرب سے طے ہوا اور ہم اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ مرزا غلام حیدر صاحب (حال ایڈووکیٹ نوشہرہ) اس اثنا میں ویٹنگ روم میں پہنچے کئی راتوں کی بیداری سفر کی کوفت مجھے اس درد و کرب کی حالت میں دیکھ کر خود بے ہوش ہوگئے۔ اب انہیں بھی سنبھالنا پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی طبیعت بحال ہوگئی۔

امیر صاحب نے اپنے پاس سے میرے لئے سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیا۔ اور اس سفر میں وہی میرے تیمادار تھے۔ مجھے بیحد تکلیف اور درد تھا۔ امیر صاحب مجھے دلاسا دیتے رہے کبھی کہتے تم نے فلاں نظم بڑی اچھی لکھی تھی، سناؤ۔ کبھی کہتے تمہارا نکاح بڑی اچھی جگہ ہوا ہے۔ غرض اس طرح وہ تسلی اور تشفی دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم لاہور پہنچ گئے۔ غالباً جماعت کو تار کے ذریعے اطلاع دے دی گئی تھی۔ اس لئے سٹریچر موجود تھا اور بہت سے دوست اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ سٹریچر پر ڈال کر مجھے لے جایا گیا۔ اور ایک فٹن میں بیٹھ کر ہم میو ہسپتال رات کے دس بجے کے قریب پہنچ گئے۔ مجھے کلوروفارم سنگھایا گیا اور مرہم پٹی میری بے ہوشی کی حالت میں کی گئی۔ رات کے بارہ بجے کے قریب مجھے ہوش آیا اور ایک گونہ سکون حاصل ہوا۔ میں اٹھارہ دن ہسپتال میں رہا۔ دوست روزانہ میرے پاس آتے تھے۔ اور کبھی ان کی محبت کی وجہ سے بندھے ہوئے بازو کے ساتھ ڈاکٹر سے اجازت لے کر ایک آدھ گھنٹے کے لئے ہوسٹل ہو آتا تھا۔ ہسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد بھی علاج جاری رہا۔ ہڈی کے جوڑ کی وجہ سے میرا بایاں بازو نصف انچ کے قریب چھوٹا ہوگیا۔ درزی کو دونوں بازوؤں کا الگ الگ ناپ دیتا ہوں۔ جب سردی کا موسم آتا ہے تو ہڈی ٹوٹنے کی جگہ پر ہلکا ہلکا درد ہوتا ہے۔ لیکن کتنا میٹھا ہے یہ درد جو مندرجہ بالا واقعات کو ایک ایک کر کے میری آنکھوں کے سامنے لاتا ہے اور امیر صاحب کی مہربانی اور ہمدردی کو یاد دلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ ہم سب امتحان میں پاس ہوگئے۔ گو خاکسار کو اگلے سال امتحان دینا پڑا۔ جہاں تک یاد ہے اس سفر میں یہ دوست شامل تھے: مخدومی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ برادرم ملک غلام فرید صاحب۔ برادرم مرزا عبدالحق صاحب۔ برادرم صوفی محمد ابراهیم صاحب۔ برادرم ڈاکٹر احمد دین صاحب۔ برادرم ڈاکٹر بدر الدین احمد صاحب۔ برادرم شیخ یوسف علی صاحب۔ برادرم شیخ بشیر احمد صاحب۔ برادرم میاں عطاء اللہ صاحب۔ برادرم کرنل عطاء اللہ صاحب۔ برادرم عطاء اللہ صاحب شیخوپوری۔ برادر مرزا غلام حیدر صاحب۔

باقی دوستوں کے نام اس وقت میرے ذہن میں محفوظ نہیں ہیں۔ ہر ایک دوست پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل فرمائے۔ انہیں دینی و دنیوی ترقی عطاء فرمائے۔ جس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ ظاہر و باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ذرہ نواز ہے اور ہم سب اسی کے در کے سوالی ہیں۔

یاد ایامیکہ باہم آشنا بودیم   ہم خیال و ہم صفیر و ہم نوا بودیم

(مضامین مظہر، محمد احمد مظہر ایڈووکیٹ لائل پور، شائع کردہ مجلس انصار اللہ و مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور 1972ء)

جماعت احمدیہ میں زنانہ تعلیم

تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد پنجم کے مطابق 1925ء میں خواتین سلسلہ کی تعلیم کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مدرسۃ الخواتین کا افتتاح فرمایا، اس مدرسہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بنفس نفیس تعلیم دیتے تھے۔ اس مدرسہ کے اجراء کا ایک مقصد یہ تھا کہ ایک تعداد عورتوں کی عربی تعلیم حاصل کر کے مولوی فاضل کا امتحان دے لے۔ پھر میٹرک، ایف اے اور بی اے کر لیں تا کہ نصرت گرلز سکول کے لئے اچھی معلمات حاصل ہو سکیں۔ چنانچہ 1929ء میں سات خواتین نے مولوی فاضل کا امتحان دیا سب کامیاب رہیں جن میں صاحبزادی سیّدہ امۃ السلام بیگم صاحبہ بنت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ یونیورسٹی میں اوّل رہیں۔ (جبکہ آپ کا نکاح جون 1924ء میں مرزا رشید احمد صاحب سے ہو چکا تھا)۔

اس مدرسہ کے مضامین حسب ذیل تھے: عربی ادب، ترجمہ، کمپوزیشن، بول چال، عربی صرف و نحو، منطق، فقہ، دینیات، جغرافیہ، تاریخ، انگریزی، مضمون نگاری و مشق تقاریر بزبان اردو و انگریزی و عربی، ترجمۃ القرآن، عمدۃ الاحکام کتاب حدیث، حفظان صحت پر لیکچرز۔

تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ 158 کے مطابق یہ مدرسہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکان کے ایک حصہ میں قائم تھا اور طالبات اور اساتذہ کے درمیان دوہری چکوں کے ذریعہ پردے کا انتظام تھا اور اساتذہ کا انتخاب خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے تھے۔

اسی دور کے تسلسل میں روایت ملتی ہے کہ صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ "میں نے حضرت اماں جانؓ کی گود میں پلنے والوں میں جو خاص بات دیکھی وہ حصول علم کا شوق ہے"

(ملخص از سیرت و سوانح حضرت صاحبزادی امۃ السلام صاحبہ۔ مرتبہ سیدہ نسیم سعید صاحبہ۔ صفحہ: 16 تا 19)

ہمارا خدا۔ ہستی باری تعالیٰ کے عقلی دلائل

(حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصنیف لطیف سے ماخوذ)

مجلس انصاراللہ برطانیہ کی اشاعت کمیٹی کی امسال کی پہلی میٹنگ میں تبلیغی اور تربیتی امور کے حوالہ سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ رسالہ "انصارالدین" کے ذریعے انصار کو خدا تعالیٰ کی ہستی کے عقلی دلائل سے لیس کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک نہایت عمدہ کتاب "ہمارا خدا" جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصنیف ہے (جو دسمبر 1927ء میں پہلی بار شائع ہوئی) اور اب تک اس کتاب کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اس کتاب سے انتخاب کا سلسلہ قارئین کے استفادہ کے لئے آئندہ بھی شامل اشاعت کیا جاتا رہے گا۔

ذیل میں "ہمارا خدا" کے صفحات 1 تا 68 کی تلخیص ہدیۂ قارئین ہے:

(انتخاب و تلخیص: فرخ سلطان محمود)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ ایک مضمون تحریر کروں جس میں مختصر اور عام فہم طریق پر بعض وہ دلائل بیان کئے جائیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا ایک خالق و مالک خدا ہے جس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے از بس ضروری ہے اور پھر اس مضمون میں یہ بھی بتایا جائے کہ ہمارے خدا کے یہ یہ صفات ہیں اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں یہ یہ فوائد ہیں اور نیز یہ کہ اس کے ساتھ کس طرح تعلق پیدا کیا جاسکتا ہے وغیر ذالک۔

اس زمانہ میں ایمان باللہ کی حالت

جتنے مذاہب بھی دنیا میں موجود ہیں وہ سب خدا کے قائل ہیں اور ان مذاہب کی طرف منسوب ہونے والے لوگ بھی باستثناء ایک نہایت قلیل تعداد کے جو ہستی باری تعالیٰ کی برملا منکر ہے خدا پر ایمان لانے کے مدّعی ہیں لیکن اگر نظرِ غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ ایمان ایک محض رسمی ایمان ہے۔ دراصل خدا کے متعلق ایسا ایمان ہونا جیسا کہ اس دُنیا کی مادی چیزوں کے متعلق انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایمان کے درمیانی مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے کہ ایمان کے عام مراتب میں سے ایک مرتبہ یہ ہے کہ انسان آگ میں ڈالا جا کر خاک ہو جانا پسند کریگا مگر ایمان کو ہاتھ سے نہیں چھوڑیگا۔

لیکن مَیں کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان کے اس مرتبہ سے اپنے آپ کو فروتر پاتے ہو تو کیا تم دیانتداری کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہارا ایمان ایک زندہ حقیقت کے طور پر تمہاری زندگی پر عملاً اثر انداز ہو رہا ہے۔ یعنی کیا تم اپنے دل میں واقعی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی ناراضگی کا خوف محسوس کرتے ہو اور کیا تمہارا ایمان تمہیں واقعی نیکی کی تحریک کرتا اور بدی سے روکتا ہے؟ اور کیا واقعی تمام اُمور میں تمہارا اصل بھروسہ خدا پر ہوتا ہے اور مادی اسباب پر نہیں ہوتا؟

ایمان باللہ کے دو درجے

چونکہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات وراء الوراء ہے اور بوجہ اپنی کمال لطافت اور غیر محدود ہونے کے انسان کی مادی آنکھوں کے احاطہ سے باہر ہے اور دوسری طرف ایمان کامل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ کوئی زیادہ فائدہ دے سکتا ہے جب تک خدا کے متعلق انسان کم از کم اس درجہ کا یقین نہ پیدا کرے جیسا کہ دُنیا کی مادی چیزوں کے متعلق اُسے حاصل ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی حکیمانہ قدرت سے یہ مقدّر کر رکھا ہے کہ ایک حد تک تو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف قدم بڑھائے اور اُس کے بعد خدا خود انسان کی طرف نزول فرما کر اُسے اُوپر اُٹھالے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایمان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ ایمان ہے جس تک انسان خود اپنی عقل کی مدد سے پہنچ سکتا ہے اور دوسرے وہ ایمان ہے جس تک مجرّد عقل کی پہنچ نہیں بلکہ اس مقام کے لئے عقل کی امداد کے واسطے آسمان سے بعض اور چیزوں کا نزول ہوتا ہے اور تب جا کر انسان اُس ایمان کو حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ (الأنعام۔ رکوع 13 آیت 4-1)

یعنی انسانی بصارت خدا تک پہنچنے اور اس کا علم اور عرفان حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ اس لئے خدا نے یہ انتظام کیا ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو انسانی بصارت تک پہنچاتا ہے یعنی خود اپنی طرف سے ایسا انتظام فرماتا ہے کہ انسان خدا کا علم اور عرفان حاصل کر سکے۔ کیونکہ اگر خُدا لطیف ہونے کی وجہ سے انسان کی ظاہری نظر کی پہنچ سے باہر ہے تو وہ خبیر بھی تو ہے۔ جانتا ہے کہ انسان کی روحانی زندگی میرے عرفان کے بغیر ممکن نہیں۔ پس وہ خود اپنی طرف سے ایسے سامان پیدا کرتا ہے کہ اس کے لطیف اور پوشیدہ ہونے کے باوجود انسان کو خُدا کا عرفان حاصل ہو سکے۔

پھر قرآن شریف میں بار بار لوگوں کو اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ تم اس کائنات اور زمین و آسمان اور دیگر مخلوقات پر غور کرو اور سوچو کہ کیا یہ سب کارخانۂ عالم مع اپنے حکیمانہ نظام کے محض اتفاق کا نتیجہ ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ سارا نظامِ عالم پُکار پُکار کر بتا رہا ہے کہ ضرور اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہیے۔

گویا اس طرح قرآن شریف انسان کو بار بار ہستی باری تعالیٰ کے سوال پر غور کرنے اور مخلوق کے مطالعہ سے خالق کی ہستی کا پتہ لگانے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اور یہ طریقِ استدلال ایسا ہے کہ اس کے متعلق محض عقل ہی کافی ہے، کسی آسمانی مؤید کی ضرورت نہیں۔ پس ایمان باللہ دو درجوں میں منقسم ہے۔ ابتدائی درجہ وہ ہے جس کا حصول مجرّد عقل کی امداد سے ممکن ہے اور دوسرا درجہ وہ ہے (اور دراصل شرعی اصطلاح میں ایمان باللہ اسی درجہ کا نام ہے) جس کا حصول مجرّد عقل سے ممکن نہیں بلکہ اس کے واسطے خدا کی طرف سے خود عقل کی مدد کا خاص انتظام ہوتا ہے۔ پہلا درجہ ایمان کا جو عقل سے حاصل ہوسکتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ہم عقلی دلائل سے اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ اس کائناتِ عالم کا کوئی خالق و مالک ہونا چاہئے۔ اور دوسرا درجہ ایمان کا یہ ہے کہ واقعی وہ خالق و مالک موجود بھی ہے اور اُس کی یہ یہ صفات ہیں اور اس تک انسان اس طرح پہنچ سکتا ہے۔ گویا ایک مرتبہ ہونا

چاہیئے' کا ہے اور دوسرا 'ہے' کا۔

مجرّد عقل کبھی بھی ہمیں ''ہے'' کے مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی بلکہ عقل ''ہونا چاہیئے'' کے مقام تک پہنچ کر رُک جاتی ہے۔ اور پھر جب خدا کی طرف سے اُسے ایک خاص عینک عطا کی جائے تو پھر گویا راستہ کے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں اور وہی نظر جو اس سے قبل درماندہ ہو کر واپس لوٹ جاتی تھی اب سیدھی خالق ہستی کے منوّر چہرہ پر پڑنی شروع ہوتی ہے اور جُوں جُوں انسان قریب ہوتا جاتا ہے اس کا یہ منظر زیادہ صاف ہوتا جاتا ہے اور علم اور عرفان ترقی کرتے جاتے ہیں مگر اس قرب کی کوئی حد نہیں اور نہ اس علم و عرفان کی کوئی انتہا ہے کیونکہ خدا غیر محدود ہے اور غیر محدود کا عرفان بھی محدود نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً (طٰہٰ:115) آنحضرت ﷺ کے منہ سے بھی نکلتی تھی جس کے متعلق خدا نے فرمایا کہ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم:10-9) (یعنی ہمارا یہ بندہ ہم سے قریب ہوا اور اتنا قریب ہوا کہ گویا ہم میں نہاں ہوگیا)۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وبارک وسلّم۔

بلاشبہ ''ہونا چاہیئے'' کا مرتبہ ''ہے'' کے مرتبہ کے لئے بطور ایک زینہ کے ہے اور عالمِ رُوحانیت میں انسان کو ابتدائی بیداری اسی مقام میں پہنچ کر حاصل ہوتی ہے لیکن اگر اس مقام پر پہنچ کر انسان آگے قدم بڑھانے سے رُک جائے اور اسی کو اپنا منتہیٰ اور مقصود سمجھنے لگ جائے تو بسا اوقات نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان دہریت کے تاریک گڑھے میں گر جاتا ہے اور خُدا کو تلاش کرتا کرتا خدا کا منکر ہو بیٹھتا ہے۔

خدا کی ہستی کے متعلق عقلی دلائل

احتیاطی دلیل

بعض اوقات ہم دنیا میں ایک کام محض احتیاطاً اختیار کرتے ہیں گو ویسے کسی معقول بنا پر ضروری نہ ہو۔ مثلاً اگر ہم رات کے وقت کسی جنگل بیابان میں ڈیرہ لگاتے ہیں تو احتیاطاً پہرہ کا انتظام کر لیتے ہیں۔

اسی اصول کے ماتحت اگر ہم ہستی باری تعالیٰ کو دیکھیں تو ہماری عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان لے آنا انکار کر دینے سے بہرحال زیادہ امن اور زیادہ احتیاط کا طریق ہے۔ اگر تو کوئی خدا نہیں اور یہ سارا کارخانۂ عالم محض کسی اتفاق کا نتیجہ ہے تو ظاہر ہے کہ خدا پر ایمان لانا کسی طرح نقصان دہ نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی خدا ہے تو ہمارا یہ ایمان لاریب سراسر مفید اور فائدہ مند ہوگا:

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (الأنعام:82) یعنی ''سوچو کہ کون گروہ امن کے زیادہ قریب ہے، انکار کرنے والا یا ایمان لانے والا؟''

کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا تھا کہ خدا کی ہستی کا کیا ثبوت ہے؟ انہوں نے یہی جواب دیا کہ دیکھو تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر تو کوئی خدا نہیں ہے تو مان لینے والے اور نہ ماننے والے سب برابر ہیں۔ کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے اور اگر خدا ہے تو خوب یاد رکھو کہ انکار کرنے والے کی خیر نہیں۔

فطری دلیل

دراصل ہماری فطرت خود اس سوال کو ہمارے اندر پیدا کر رہی ہے کہ آیا کائناتِ عالم کا کوئی خالق و مالک ہے یا نہیں؟ فطرتِ انسانی یہ سوال پیدا کر کے خاموش نہیں ہو جاتی بلکہ اس کا جواب بھی دیتی ہے اور جو لوگ فطرت کی آواز سُننے کے عادی ہیں وہ اس آواز کو سن سکتے ہیں۔

فطرت ایک عربی لفظ ہے جو فطر سے نکلا ہے اور 'فطرت ان صفات کا نام ہے جو ہر بچے میں اُس کی ابتداء خلقت کے وقت ودیعت کی جاتی ہیں'۔ چنانچہ فطرتِ انسانی سے وہ صفات و خواص مراد ہونگے جو بیرونی اثرات کے نتیجہ میں نہیں پیدا ہوئے بلکہ خلقی اور طبعی طور پر انسان کے اندر مرکوز کئے گئے ہیں تا وہ ان کے ذریعہ اپنے واسطے ترقیات کا دروازہ کھول سکے۔

گویا ہر چیز بعض ایسے خواص اپنے اندر رکھتی ہے جو اسکے حواسِ طبعی کہلاتے ہیں۔ انہی خواص کا مجموعہ فطرت ہے۔ یہ خواص اور صفات بیرونی اثرات کے ماتحت آ کر دَب جاتے ہیں یا چمک جاتے ہیں۔ اور اسی پر کسی ہستی کی ترقی اور تنزّل کا دارومدار ہے اور ہر شخص اپنے اندر غور کر کے اس بات کا پتہ لگا سکتا ہے کہ اس کے فطری خواص کس راستہ پر چل رہے ہیں۔ مثلاً راست گفتاری انسان کا ایک فطری جذبہ ہے یعنی انسان کا یہ فطری خاصہ ہے کہ وہ وہی بات منہ پر لائے جو واقعہ کے مطابق ہے اور ہر بچہ ابتداءً اسی فطری خاصہ کے مطابق اپنا روّیہ رکھتا ہے۔ لیکن بعض اوقات جب وہ دیکھتا ہے کہ اُس کے کسی فعل پر اُس کے ماں باپ ناراض ہوتے ہیں اور وہ فعل کسی وجہ سے اُسے مرغوب اور پسند خاطر ہوتا ہے تو اس کے دل میں اس فعل کے کرنے کی خواہش زور پکڑتی ہے لیکن وہ اپنے والدین کی ناراضگی سے ڈر کر اُن سے اپنے اس فعل کو چھپانا چاہتا ہے اور یہ پہلا پردہ ہوتا ہے جو اُس کی فطرت پر پڑتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ وہ اس بات کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے کہ کام تو وہی کرتا ہے جو اسے پسند ہوتا ہے لیکن دوسروں سے اُسے نہ صرف چھپاتا ہے بلکہ اُن کے دریافت کرنے پر خلاف واقعہ بیان دے دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آتا ہے کہ جب وہ گویا اپنی فطرت کو بالکل ہی بھول جاتا ہے۔ ایسے ہی موقعہ پر کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی فطرت مر چکی ہے حالانکہ دراصل فطرت کبھی نہیں مرتی بلکہ صرف بیرونی اثرات کے نیچے دب کر مستور و محجوب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دیگر فطری جذبات کا حال ہے۔ مثلاً محبت، نفرت، حلم، غضب، عفو، انتقام، شجاعت، خوف، عفت، شہوت، ترقی کی خواہش، تنزّل سے نفرت وغیرہ۔ یہ فطرتِ انسانی کے اندر طبعی طور پر مرکوز ہیں لیکن بیرونی اثرات ان کو دباتے یا چمکاتے رہتے ہیں۔ یعنی کبھی تو یہ خواص افراط کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور کبھی تفریط کی طرف جھک جاتے ہیں اور کبھی حدِ اعتدال کے اندر اندر رہتے ہیں۔ سوائے اس شخص کے جس کے فطری جذبات اعتدال کی حالت میں ہوں دوسرے لوگ خود اپنی فطرت کے متعلق بھی عموماً دھوکا کھا جاتے ہیں۔

پس راست گفتاری ایک فطری خاصہ ہے جس کا یہ تقاضا ہے کہ جب کوئی موقعہ پیش آئے تو جو بھی واقعہ ہے اُس کے مطابق انسان اپنا بیان دے۔ نہ کوئی بات خلاف کہے اور نہ کوئی بات زیادہ کرے اور یہی تقاضا فطرت کی آواز کہلائے گا۔ اسی فطری آواز کو زندہ رکھنے کے واسطے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ (الرّوم:31) یعنی اے انسان! تو اپنی توجہ اعتدال کی حالت میں رکھ تا کہ تُو اس فطری حالت پر قائم رہ سکے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔

اَب ہر شخص اپنے اندر غور کرے کہ کیا اس کی فطرت ہستی باری تعالیٰ کے متعلق کوئی آواز پیدا کر رہی ہے یا نہیں؟ جب وہ اپنے دل سے یہ سوال کرتا ہے کہ کیا میرا

وجود محض ایک اتفاق کا نتیجہ ہے یا کہ مجھے کسی بالا ہستی نے پیدا کیا ہے تو اُسے اِس سوال کے جواب میں (عقلی دلائل کو سوچے بغیر) کوئی فطری آواز سنائی دیتی ہے یا نہیں؟ قرآن شریف فرماتا ہے: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَ اَشْھَدَ ھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۚ شَھِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ۔ (سورۃ الاعراف:173) یعنی اللہ تعالیٰ نے جب بنی نوع انسان کی نسل کو چلایا تو خود اُن سے اُن کے نفسوں پر شہادت لی اور پوچھا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں بیشک تو ہمارا ربّ ہے۔ اور یہ خدا نے اس لئے کیا کہ تا قیامت کے دن تمہیں یہ عذر نہ رہے کہ ہمیں تو خدا کے متعلق کچھ پتہ ہی نہیں لگا۔

گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بات انسانی فطرت میں رکھ دی کہ تیرا ایک خالق و مالک ہے جس سے تجھے غافل نہ رہنا چاہئے۔ چنانچہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ ایک دہریہ بھی سخت اور اچانک مصیبت کے وقت میں رام رام یا اللہ اللہ پکارنے لگ جاتا ہے۔ اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلنا فطرت کی آواز کے سوا اور کسی چیز کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جب انسان بوڑھا ہوجاتا ہے تو اُس کی فطرت کی آوازیں زیادہ وضاحت کے ساتھ اس کے کانوں میں سنائی دینے لگتی ہیں۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ جوانی میں عموماً ہزاروں قسم کی غفلتیں انسان کو گھیرے رکھتی ہیں اور دنیاوی کاروبار کی کثرت اور جذبات بھی جوش کی حالت میں ہونے کی وجہ سے عموماً حدِّ اعتدال سے تجاوز کرجاتے ہیں۔ لیکن بڑھاپے میں یہ جوش وخروش ٹھنڈا ہونا شروع ہوجاتا ہے اور دنیاوی کاروبار سے بھی قدرے فرصت ملتی ہے تو فطرت کو پھر موقعہ مل جاتا ہے کہ اپنی آواز انسان کے کانوں تک پہنچا سکے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ تبدیلی فطرت کی آواز کی وجہ سے نہیں بلکہ موت کے ڈر کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس خوف کے نتیجہ میں وہ خدا کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔

مَیں کہتا ہوں کہ یہ دلیل تو ہمارے حق میں ہے۔ کیونکہ موت کا خوف بھی تو ایک فطری آواز ہے۔ ورنہ ایک دہریہ کیا اور موت کا خوف کیا؟ جو شخص اپنی زندگی کو محض اتفاق کا نتیجہ قرار دیتا ہے اس کی نظر میں موت سوائے اس کے اور کوئی حقیقت نہیں رکھ سکتی کہ وہ زندگی جو اتفاق کا نتیجہ تھی اب اتفاق کے نتیجہ میں ہی یا کسی اور وجہ سے اُس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہورہا ہے، اور بس۔ پس موت کا خوف بھی کسی اندرونی تغیّر کا نتیجہ ہے اور اسی کا نام ہم فطرت کی آواز رکھتے ہیں۔

الغرض فطرتِ انسانی ہستیٔ باری تعالیٰ کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ (الذّاریات: 22) یعنی اے لوگو! تمہیں اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت نہیں، تمہارے تو اپنے نفسوں میں خُدائی آیات موجود ہیں۔

کائناتِ خلق اور نظامِ عالم کی دلیل

دراصل یہی ایک دلیل ہے جس پر دنیا کے بیشتر حصہ کے ایمان کا دارومدار ہے۔ یہ دلیل مسبب (Effect) سے سبب (Cause) کی طرف جانے کی دلیل ہے اور اگر علمی طور پر دیکھا جاوے تو یہ دلیل دراصل دو دلیلوں کا مجموعہ ہے۔ ایک دلیل تو وہ عام معروف دلیل ہے جس میں فی الجملہ طور پر مخلوق کے وجود سے خالق کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے اور یہ دلیل سادہ ہونے کی وجہ سے عامۃ الناس کو زیادہ اپیل کرتی ہے۔ دوسری دلیل وہ ہے جس میں اس عالم دنیوی کے حالات اور نظامِ عالم کا مطالعہ کرکے اس عالم کی پیدا کرنے والی اور اس نظام کی جاری کرنے اور قائم رکھنے والی ہستی کے وجود پر دلیل پکڑی جاتی ہے۔

پہلا حصہ دلیل کا جو مخلوق کے وجود سے خالق کے وجود کی طرف جانے سے تعلق رکھتا ہے اپنی ظاہری صورت میں بہت سادہ ہے۔ مثلاً سامنے میز پر بہت سی چیزیں رکھی ہیں۔ یہ چیزیں خود بخود نہیں بن گئیں بلکہ کسی کاریگر کی محنت کا ثمرہ ہیں۔ عرب کے ایک بدوی سے کسی نے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے؟ اُس نے جواب دیا: جب کوئی شخص جنگل میں سے گزرتا ہوا ایک اونٹ کی مینگنی دیکھتا ہے تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس جگہ سے کسی اونٹ کا گزر ہوا ہے اور جب وہ صحرا کی ریت پر کسی آدمی کے پاؤں کا نشان پاتا ہے تو یقین کرلیتا ہے کہ یہاں سے کوئی مسافر گزرا ہے تو کیا تمہیں یہ زمین مع اپنے وسیع راستوں اور یہ آسمان مع اپنے سورج اور چاند اور ستاروں کے دیکھ کر خیال نہیں آتا کہ ان کا کوئی بنانے والا ہوگا؟

قرآنِ شریف خلق ونظامِ عالم کے متعلق کئی مقامات پر ارشاد فرماتا ہے۔ خداتعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات اور دن کے ادلنے بدلنے، بحری جہازوں کے سفر، بارش اور اس کے نتیجہ میں مُردہ زمین کا زندہ ہونا، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کو بھی سوچنے والوں کے لئے نشان قرار دیتا ہے۔ (البقرہ:165)۔ پھر آسمان کے ستاروں کے نظام اور زمین میں پہاڑ کھڑے کرنے کی حکمت پر غور کرنے کی تلقین فرماتا ہے۔ (ق:7تا9)۔ پھر مخلوق کے قوانینِ قدرت کی اطاعت کرنے کا ذکر بھی فرماتا ہے۔ (الرّعد:16)۔ نیز فرمایا کہ ہر چیز اپنے اپنے دائرہ میں الگ الگ چل رہی ہے اور دوسری چیزوں سے ٹکراتی نہیں ہے۔ (یٰس:41)۔ خداتعالیٰ دودھ دینے والے چوپائیوں اور شفابخش شہد بنانے والی مکھی پر غور کرنے کی بھی نصیحت فرماتا ہے۔ (النحل:70,69,67)۔ پھر کئی نشانات بیان کرنے کے بعد انسان کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ: کیا تُو رحمٰن کی مخلوق میں کوئی نقص پاتا ہے؟ اپنی نظر کو چاروں طرف دوڑا اور پھر بتا کہ کیا تجھے کوئی فتور نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ سہ بارہ نظر کو چکر دے مگر یاد رکھ کہ تیری نظر تیری طرف ہر دفعہ ذلیل وماندہ ہوکر لوٹے گی اور خدا کی خلق میں کوئی رخنہ نہ دریافت کرسکے گی۔ (الملک:2تا5)۔ نیز فرمایا: کیا یہ ساری باتیں تجھے خدا کی طرف راستہ نہیں دکھاتیں؟ (النجم:43)

یہ آیات قرآنی جس فصاحت وبلاغت کے ساتھ کائناتِ خلق اور نظامِ عالم کی طرف توجہ دلاکر ہستی باری تعالیٰ کا نشان دے رہی ہیں وہ محتاجِ تفسیر نہیں۔ انسان جس قدر بھی نظامِ عالم اور خواصِ اشیاء کے مطالعہ میں ترقی کرتا ہے اس کے لئے یہ اشارہ زیادہ واضح اور زیادہ معیّن صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ دُنیا کی چھوٹی سے چھوٹی چیز پر غور کرو۔ وہ حقیر چیز ایک ایسے عظیم الشان اور حکیمانہ قانون کے ماتحت کام کررہی ہے جس میں ایک ایسی ترتیب اور علّتِ غائی نظر آتی ہے کہ عقل حیران ہوجاتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے

انسانی جسم کو دیکھ لو۔ دنیا کے بہترین دماغ ہر زمانہ میں لاکھوں کی تعداد میں اس کی بناوٹ کے متعلق تحقیق کرتے چلے آئے ہیں اور اس حکیمانہ قانون کے معلوم کرنے کے پیچھے پڑے رہے ہیں جو مختلف اعضاء یعنی دل ودماغ، گردہ، پھیپھڑا،

جگر، معدہ، آنکھ، کان، ناک وغیرہ میں کام کر رہا ہے لیکن خدا کی اس بظاہر چھوٹی سی کان کا کتنا حصہ ہے جو وہ اس وقت تک دنیا کے سامنے نکال کر پیش کر سکے ہیں؟

ایک پھول کی ننھی ننھی پتیوں میں سینکڑوں رگیں اور نالیاں ایک جال کی طرح پھیلی ہوئی ہوتی ہیں اور یہ ہر رگ اور ہر نالی اپنے کام اور اپنے قانون کے لحاظ سے ایک عالَم کا حکم رکھتی ہے۔ پھر ایک مٹھی میں لاکھوں کی تعداد میں وہ حقیر تخم سما سکتا ہے لیکن جب وہ زمین میں ڈالا جاتا ہے تو ایک عظیم الشان درخت بن جاتا ہے جس کے سایہ کے نیچے ہزاروں انسان آرام کر سکتے ہیں۔

اور ایک وقت تھا کہ انسان ایک ایسے حقیر خوردبینی کیڑے کی شکل میں اپنے باپ کے جسم کا حصّہ تھا کہ شاید کوئی نازک مزاج شخص اُسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا، لیکن آج وہی ایک خوبصورت، دلکش اور دل و دماغ کی اعلیٰ ترین طاقتوں سے آراستہ وجود بنا بیٹھا ہے۔

پھر آسمان میں سورج، یہ چاند، یہ ستارے کیا منظر پیش کرتے ہیں۔ سورج ہی کو لے لو۔ اس کا قطر آٹھ لاکھ پینسٹھ ہزار میل ہے لیکن آسمان میں بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کے سامنے یہ سورج اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتا جیسے کہ ایک عقاب کے مقابلہ میں پدی کی حیثیت ہے۔

اگر اس عظیم الشان نظام کا مطالعہ کیا جائے جس کے ماتحت یہ لاکھوں کروڑوں عالم فضاءِ آسمانی میں چکّر لگا رہے ہیں تو عقلِ انسانی خود چکّر میں آنے لگتی ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ ہر ستارہ اپنے اپنے دائرہ کے اندر اپنے اپنے قواعد کے ماتحت چکّر لگا رہا ہے اور کیا مجال ہے کہ ایک ستارہ کسی دوسرے سے ٹکرا جاوے یا اپنے دائرہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے دائرہ کے اندر جا داخل ہو اور یہ قاعدہ صرف اجرام سماوی ہی کے متعلق نہیں بلکہ زمین پر بھی ہر چیز اپنے اپنے حلقہ کے اندر محصور ہے اور یہ کسی کو طاقت نہیں کہ اپنے حلقہ سے آزاد ہو کر دوسرے حلقے میں داخل ہو سکے۔ آگ کا کام ہے کہ جلاوے۔ پانی کا کام ہے کہ بُجھاوے۔ درخت کا کام ہے کہ زمین میں ایک جگہ استادہ کھڑا رہے۔ پرندہ کا کام ہے کہ ہوا میں اُڑتا پھرے۔ انسان کا کام ہے کہ زمین پر چلے۔ مچھلی کا کام ہے کہ پانی میں تیرے۔ گائے کا کام ہے کہ گھاس کھائے۔ شیر کا کام ہے کہ دوسرے جانوروں کو اپنی خوراک بنائے۔ یہ موٹی موٹی مثالیں ہیں ورنہ ہر چیز اپنے خواص اور اپنی طاقتوں اور اپنے کام کے لحاظ سے اپنے اپنے حلقہ کے اندر محصور ہے اور اپنے حلقہ سے باہر نکل جانے کی کسی کو طاقت نہیں اور پھر ہر چیز ایک خاص غرض و مقصد کو پورا کر رہی ہے۔

پس کیا تم دیانتداری کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ یہ زمین یہ آسمان یہ حیوانات یہ نباتات یہ جمادات یہ اجرام سماوی یہ طبقاتِ ارضی محض اتفاق کا نتیجہ ہیں؟ کیا یہ عظیم الشان نظام جس نے دنیا کی اربوں چیزوں کو ایک لڑی میں پرو رکھا ہے بغیر کسی خالق اور متصرّف کے خود بخود چل رہا ہے؟

جب ہم کسی ایک چیز کے مختلف حصوں کے آپس کے تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں یا مختلف چیزوں کے باہمی تعلقات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پھر خدا تعالیٰ کی حکمت اَور بھی زیادہ روشن ہو کر ہمارے سامنے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً ہم اونٹ کو لیتے ہیں اور بالفرض یہ مان لیتے ہیں کہ قانون قدرت کے کسی مخفی اور غیر معلوم قاعدہ کے ماتحت اس کو لمبی ٹانگیں مل گئیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس اندھے قانون کو یہ کیسے پتہ لگ گیا کہ اب جو میں نے اسے لمبی ٹانگیں دی ہیں تو اس کی گردن بھی لمبی بنانی چاہیئے تا کہ اس کا منہ آسانی کے ساتھ زمین تک پہنچ سکے۔ اور پھر صرف اونٹ میں ہی نہیں بلکہ ہر جانور میں یہی حکیمانہ قاعدہ جاری کر دیا کہ جہاں کسی مصلحت سے ٹانگیں لمبی دی جائیں وہاں گردن بھی لمبی ہو اور جہاں ٹانگیں چھوٹی ہوں وہاں گردن بھی چھوٹی ہو۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لمبے عرصہ کے حالات کا طبعی نتیجہ ہے۔ مگر یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ دُنیا میں حیاتِ حیوانی کی تاریخ اس بات کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتی کہ لمبی ٹانگوں والے جانوروں کی گردنیں پہلے چھوٹی ہوا کرتی تھیں اور پھر بعد میں آہستہ آہستہ لمبی ہوگئیں۔ اور پھر اس بات کا بھی کیا جواب ہے کہ لمبی ٹانگوں والے جانور شروع میں جبکہ اُن کی گردنیں چھوٹی ہوتی تھیں کس طرح گزارہ کرتے تھے؟ بہرحال یہ صرف ایک موٹی مثال ہے ورنہ غور کیا جائے تو دُنیا میں ہر چیز کے مختلف حصّے اس تناسب اور موزونیت کے ساتھ باہم جوڑے گئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

پھر قانونِ قدرت کے کسی اتفاقی کرشمہ نے مرد کی پُشت میں نسلِ انسانی کے کیڑے پیدا کر دیئے۔ اور مرد اور عورت کے اندر یہ خواہش پیدا کر دی کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں اور اُسی نے ہی مرد کی پُشت کے وہ کیڑے عورت کے تاریک و تار رحم میں پہنچا دیئے اور پھر اسی قانون نے ہی نو ماہ تک اُن میں سے ایک کیڑے کو منتخب کر کے اس کی تربیت کی اور اُسے ایک دل و دماغ رکھنے والا خوبصورت شکل کا بچہ بنا دیا اور پھر اُسی نے ہی اُس بچے کو ماں کے پیٹ سے باہر نکالا۔ مگر خدارا مجھے یہ سمجھا دو کہ اس اندھے قانون کو کہاں سے سوجھی کہ جب وہ بچہ ماں کے رحم سے باہر آنے والا ہوا تو اُس نے اُس کی خوراک کے واسطے ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیا۔ سبحان اللّٰہ ، مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔ (الحج:75)

پھر اور سنو۔ زمین خود بخود پیدا ہوگئی۔ اُس پر چلنے پھرنے والی چیزیں بھی خود بخود پیدا ہوگئیں۔ انسان بھی اپنے آپ نیست سے ہست میں آ گیا۔ اُس کے ناک کان آنکھ سب خود بخود ظاہر ہو گئے۔ الغرض یہ سب کچھ کسی اتفاقی قانون کے نتیجے میں ہو گیا، لیکن یہ کس طرح ہوا کہ آنکھوں میں جو دیکھنے کی طاقت تھی اُس کے ظاہر کرنے کے لئے اس قانون نے نو کروڑ میل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان چراغ بھی روشن کر دیا تا کہ اس کی روشنی زمین پر پہنچے اور پھر انسانی آنکھ اپنی قوت بینائی کو استعمال کر سکے۔ درخت تو زمین پر اُگ آیا۔ اس کے تخم بھی پیدا ہو گئے اور تخم زمین پر گرا کر بوئے بھی گئے لیکن یہ کس نے سوچا کہ ان تخموں کے اُگنے کے واسطے پانی کی بھی ضرورت ہے۔ اور پھر یہ کس نے انتظام کیا کہ سمندر پر سورج کی شعاعیں گرائیں اور وہاں سے کروڑوں ٹن پانی اُٹھا کر ہواؤں کے ذریعہ زمین کے جھلستے ہوئے میدانوں تک پہنچا دیا اور پھر وہاں ان ہواؤں کو بادل کی صورت میں لا کر بارشیں برسا دیں۔ اگر یہ سب کچھ اسی اتفاقی قانون نے کیا اور یہی قانون وہ ہستی ہے جو خالق ہے، مالک ہے، ربّ ہے، علیم ہے، قدیر ہے، حکیم ہے، متصرف ہے، مُہیمن ہے جو غور کرتی اور سوچتی ہے، جو حالات کی مناسبت کا خیال رکھتی ہے۔ وہی ہمارا خدا ہے اور اسی کے سامنے ہم محبت و عبودیت کا سجدہ بجالاتے ہیں۔ کائنات اور اس کا حکیمانہ نظام ایک ایسی ہستی کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو خالق ہے، مالک ہے، حکیم ہے، علیم ہے، قدیر ہے، متصرف ہے، غرض ان تمام صفات سے متصف ہے جو مذہب خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔............ (باقی آئندہ۔ انشاءاللہ)

تعارف کتاب

(تبصرہ: عبادہ عبداللطیف)

"ارضِ بلال۔ میری یادیں"

اس عالمِ رنگ و بو میں حُسنِ ازل کے ساتھ عشقِ حقیقی کی بے شمار داستانیں رقم ہوئیں۔ انہی میں سے (رونگٹے کھڑی کردینے والی) ایک وہ داستان بھی ہے جو عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں میں ننگے بدن گھسیٹے جانے والے حضرت بلالؓ بن رباح نے رقم کی۔

مکّہ کی وادی میں جب بے بس وبیکس حبشی غلام سیّدنا بلالؓ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے معبودِ حقیقی کے سامنے اپنا سرِتسلیم خم کیا تو پھر ہرظلم وسفّاکی کا نشانہ اُس معصوم کی ذات کو بنایا جانے لگا۔لیکن اپنے سیاہ رنگ کے جسم پر توڑے جانے والے ہرستم پر ایک ہی آواز اُس کے نورانی دل سے بلند ہوئی اور ایک ہی کلمۂ عشق اُس کی زبان سے سنائی دیا:"اَحَد۔ اَحَد"۔ اپنے ربّ سے عشق کا یہ کیا ہی پیارا انداز تھا جس پر اُس قادرِ مطلق نے نہ صرف بلالؓ کی ظاہری غلامی کی طنابیں کاٹ کر رکھ دیں بلکہ اُسے حقیقی معنی میں غلامِ صادق قرار دے کر وہ روحانی مقام بھی عطا فرمادیا کہ خلیفۃ الرسولؐ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی "سیّدنا بلال" کہہ کر انہیں مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ ایک خطۂ ارض کو عالمِ اسلام میں ہمیشہ کے لئے صرف اس لئے محبت واحترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا کہ وہ اُس حبشی غلام بلالؓ سے منسوب اور شاہ حبشہ اصحمہ نجاشیؓ کی سرزمین تھا۔ یہی وہ سرزمین تھی جس نے مکّہ کے مہاجر مسلمانوں کو اُس وقت پناہ دی تھی جب اُن کے اپنے وطن میں اُن پر زمین تنگ کردی گئی تھی۔ چنانچہ قیصروکسریٰ کے محلّات کوزمیں بوس کردینے والے مسلم سپہ سالار جب اپنی جفاکش سپاہ کے ساتھ برّاعظم افریقہ کے مختلف علاقوں کا رُخ کرتے اور دُھول اُڑاتے ہوئے افریقہ کے صحراؤں سے گزرتے تو بھی حبشہ کی سرزمین اُن کے گھوڑوں کے سمّوں تلے کبھی روندی نہیں گئی۔ بلکہ اپنے مظلوم مہاجر بھائیوں پر کئے جانے والے احسانات کو یاد رکھتے ہوئے انہوں نے حبشہ کی سرزمین کو ہمیشہ امن کا پروانہ عطا کیا اور اس کے عوام کی خوشحالی کے متمنّی رہے۔

عشق ومحبت کی یہ داستانیں سینکڑوں سال پرانی سہی لیکن آج بھی اُمّتِ مسلمہ کے دلوں کے ساتھ دھڑکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چند ماہ قبل اشاعت کے مراحل سے گزرنے والی ایک دلچسپ کتاب کا نام بھی اسی حوالہ سے رکھا گیا ہے یعنی:"ارضِ بلالؓ۔میری یادیں"۔

یہ ایک ایسے داعی الی اللہ اور مبلغِ اسلام واحمدیت کے قلم سے نکلنے والے ایمان افروز واقعات کا مجموعہ ہے جنہیں قریباً بیس سال تک افریقہ کی سرزمین پر واقع پانچ ممالک میں پیغامِ حق پہنچانے کی مقبول اور ثمرآور مساعی کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مکرم منور احمد خورشید صاحب 1950ء میں پیدا ہوئے۔ 1975ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ سے شاہد کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان میں مختلف مقامات پر متعین رہنے کے بعد 1983ء میں گیمبیا بھجوائے گئے۔ بعدازاں سینیگال، گنی بساؤ، موریطانیہ اور کیپ ورڈے میں بھی تبلیغی مساعی میں مصروف رہے۔ان تمام ممالک میں امارت کی ذمہ داری بھی ادا کی۔ بعدازاں چارسال تک جامعہ احمدیہ انگلستان میں بھی خدمت کی توفیق ملی۔اور خدمت کا یہ سلسلہ 2012ء تک چلتا رہا۔

ایک احمدی داعی الی اللہ کے لئے اس سے بڑھ کر سعادت کوئی اَور نہیں ہوسکتی کہ خدائے واحدویگانہ سے ناآشنا بھٹکی ہوئی رُوحیں اُس کے ذریعہ سے نورِ ہدایت پاجائیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر فدا ہونے کے لئے تیار ہوں اور دل کی گہرائیوں سے آپؐ پر درود بھیجنے والوں میں اُن کا شمار ہونے لگے۔اس کٹھن راستہ میں ایک احمدی داعی الی اللہ اپنی جان، مال، وقت اور عزّت بھی داؤ پر لگادیتا ہے۔ اَنجانی راہوں پر چلتے ہوئے وہ ہرخطرہ مول لینے کے لئے قدم آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے لیکن وہ پاک ذات جس پر اُس کا کامل توکّل ہوتا ہے وہ قدم قدم پر یہ احساس دلاتا چلا جاتا ہے کہ اُس کے دین کی خدمت کرنے والے کبھی ضائع نہیں کئے جاتے۔ چنانچہ آسمانی نشانات کا گواہ بنتے ہوئے اور اپنی کم مائیگی ومحدودوسائل کا احساس کرتے ہوئے جب پورے توکّل اور انکساری کے ساتھ وہ خلیفۂ وقت کی اطاعت میں اَن دیکھی راہوں پر اپنا سفر جاری رکھتا ہے تو پھر کامیابیوں کی منازل اُس کے قدموں تلے سمٹتی چلی جاتی ہیں اور انجامکار لازوال کامرانیاں اُس کا مقدّر بننے لگتی ہیں۔

A5 سائز کے سوا تین صد صفحات پر مشتمل اس کتاب کو Soft Cover کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ رنگین سرورق براعظم افریقہ کے نقشہ سے مزیّن ہے جس میں مختلف ممالک کی نشاندہی اُن کے قومی پرچموں سے کی گئی ہے۔ جبکہ پس منظر میں ابھرتا ہوا آفتاب، پھیلی ہوئی تاریکیوں کو کافور کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کتاب کا انتساب ارضِ بلال کے اُن سادہ دل اور پاک فطرت احمدی بھائیوں اور بہنوں کے نام کیا گیا ہے جو سیّدنا حضرت امام الزمان علیہ السلام کی ذات بابرکات پر بِن دیکھے ہی ایمان لے آئے اور پھر سوجان سے اُس ذات اقدسؑ اور آپؑ کے خلفاءِ عظام کے عاشق اور فریفتہ ہوگئے۔ تہی دامن ہوتے ہوئے بھی مبلّغین کے لئے اپنے گھروں اور دلوں کے دروازے کھول دیئے اور پھر اشاعتِ دین کے فریضہ میں شب و روز، نشیب وفراز، عسرویسر کی ہرگھڑی میں کمال پیار ومحبت اور اخلاص کے ساتھ ممدومعاون اور مونس وغمخوار بنے رہے۔

؎ "خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

کتاب کے اٹھارہ ابواب ہیں۔ پہلے چار ابواب اُن ممالک سے متعلق تفصیلی تعارف، دلچسپ معلومات اور منفرد مشاہدات پر مشتمل ہیں جہاں مصنّف کو خدمت کی سعادت عطا ہوتی رہی۔ ایک باب میں دشمنانِ احمدیت کی ناکامی اور تباہی کے واقعات درج ہیں۔ ایک باب قبولِ احمدیت کی ایمان افروز روایات پر مبنی ہے۔ اسی طرح ارضِ بلالؓ کے نواحمدیوں کا عبادات میں شغف، انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ذوق وشوق، حضرت مسیح موعودؑ اور خلفاءِ عظام سے بے پناہ عشق کا اظہار، امامِ وقت کی بے لوث اطاعت کا جذبہ اور قبولیتِ دعا کے روح پرور نظارے بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔ ایک باب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی سے معنون ہے۔ اور آخر میں مصنّف نے اپنی زندگی کے ذاتی اور خاندانی حالات پر روشنی ڈالی ہے۔

بہت سی تاریخی تصاویر اور چند جغرافیائی نقشے بھی کتاب کی زینت ہیں۔ لکھائی (ٹائپنگ)، سیٹنگ اور ڈیزائننگ صاف اور عمدہ ہے۔ ظاہری خوبصورتی کے ساتھ مواد کا انتخاب اور ترتیب بہت اعلیٰ ہے۔ امرِ واقعہ

یہ ہے کہ ٹائپنگ کی معمولی اغلاط کی طرف خیال اس لئے نہیں جاتا کہ قاری اس کتاب کے منفرد واقعات کی دلچسپی میں اتنا کھو جاتا ہے کہ گویا وہ خود ان حالات کا حصّہ ہے۔ ان حقیقی واقعات میں بعض دفعہ غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے تجسّس کا جو عنصر جنم لیتا ہے وہ تحریر میں قاری کی دلچسپی کو مزید بڑھا دیتا ہے۔ تلخ اور مشکل حالات میں خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت جب کامیابیوں کی راہیں وا کرتی ہے تو قاری کا ایمان بھی ترقیات کے زینے طے کرتا چلا جاتا ہے۔ پس لطف یہ بھی ہے کہ ایسے رُوح پرور واقعات نہ صرف قاری کی علمی استعداد کو بڑھاتے ہیں بلکہ روحانی ترقیات کے حصول کے لئے بھی گرانقدر رہنمائی مہیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کتاب جماعت احمدیہ کے قیمتی لٹریچر میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے اور اس میں بیان کردہ واقعات داعیان الی اللہ کے لئے خصوصاً نہایت سبق آموز ہیں کیونکہ مختلف فرقوں کے عقائد، غیر اسلامی مذہبی گروہوں کے رسوم اور افریقہ میں موجود بعض معاشرتی گروہوں کے رواج سے متعلق بھی اہم اور مفید معلومات جا بجا ملتی ہیں۔ غیر مذاہب کے بے شمار پیروکاروں اور لامذہبوں کی طرف سے اسلام احمدیت کی صداقت کے اقرار اور اس کے نتیجہ میں اُن پر خدا تعالیٰ کے لامتناہی افضال و انعامات کی بارش کا بیان بھی اس خوبصورت کتاب کا حصہ ہے۔ گویا یہ کتاب تاریخی اور تبلیغی اہمیت کی حامل کتب میں ایک عمدہ اضافہ ہے جو میدانِ عمل میں مصروف مبلغین اور داعیان الی اللہ کے علم میں اضافہ، دلائل میں مضبوطی اور راہِ عمل کو روشن کرنے کا باعث بنے گی۔

مزید یہ کہ تحریر بے ساختہ اور عام فہم، نیز اندازِ بیان سادہ، سلیس، روانی سے بھرپور اور چاشنی سے لبریز ہونے کی وجہ سے قاری کے ذہن میں ایک ایسی تصویر کے نقش و نگار اُبھرنے لگتے ہیں جن میں رنگ بھرے بِنا کتاب چھوڑنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ اور امرِ واقعہ یہی ہے کہ ذہن میں اُبھرنے والی ایسی تصاویر اِس کتاب کے ہر ورق پر فروزاں ہیں۔ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے دلی محبت و عقیدت سے اُٹھنے والی قاری کی نگاہوں میں اُن سرفروشوں کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے جنہوں نے روحِ بلالی سے سرشار ہو کر خلیفۂ وقت کی آواز پر لبّیک کہا اور اُس پاک وجود کے ایک اشارہ پر سمندر پار پہنچ کر ایسے علاقوں میں جا ڈیرے ڈالے جہاں سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی ذات اُن کی پُرسان حال نہ تھی۔ خدا تعالیٰ ان سب کو ان کی خدمات کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین

یہ کتاب لندن کے احمدیہ بک سٹال پر دستیاب ہے اور ہر طبقۂ فکر میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف ایک سال کے اندر ہی اس کا دوسرا ایڈیشن تیاری کے مراحل میں ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے
حضرت مرزا محمود احمد صاحب سے محبت کے انداز

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے وفات سے قبل اپنے فرزند میاں عبدالحیٔ کو بلایا اور جو باتیں کیں ان میں یہ بھی فرمایا ”حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور خدا کا برگزیدہ انسان سمجھتا ہوں۔ مجھے ان سے اتنی محبت تھی کہ جتنی میں نے ان کی اولاد سے کی۔ تم سے نہیں کی۔“ (حیات نور صفحہ 710)

محترم ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے اپنے صاحبزادہ میاں عبدالحیٔ صاحب مرحوم کو فرمایا ”میاں تم سے ہمیں بہت محبت ہے۔ لیکن حضرت صاحب کی اولاد ہمیں تم سے بھی زیادہ پیاری ہے۔“ (حیات نور صفحہ 710 حاشیہ)

اس محبت کے سب سے زیادہ مورد حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب ہی ہوئے اور اس زمانہ کے واقعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

مکرم مولانا ظہور حسین صاحب ہی کا بیان ہے کہ ”ایک دن جب حضور درس دے چکے تو مجھے فرمایا کہ تم بیٹھے رہو آپ نے ایک خط لکھا اور سادہ لفافہ میں ڈال کر فرمایا کہ میاں محمود احمد صاحب کو دے آؤ۔ میں نے وہ خط لے لیا۔ جب میں (بیت) مبارک کے نیچے مسقّف حصے پر پہنچا تو میرے دل میں خیال آیا میں پڑھ تو لوں کہ کیا لکھا ہے۔ جب میں نے پڑھا تو میری حیرانی کی حد نہ رہی کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے حضرت میاں صاحب کو اس طرح ادب اور محبت سے مخاطب کیا ہوا تھا جس طرح کسی بڑے بزرگ کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ مجھے اس وقت خیال آیا کہ اوہو! حضرت میاں صاحب کا اتنا بڑا مقام ہے۔ اس خط کا یہ مضمون تھا کہ بازار میں بعض احمدیوں کے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کر دے۔“ (حیات نور صفحہ 601-602)

لاہور کے ایک دوست شوق محمد صاحب عرائض نویس بیان کرتے ہیں کہ ”1903ء میں مَیں قادیان میں بغرض تعلیم مقیم تھا۔ میں نے اپنے زمانہ قیام دار الامان میں متعدد بار دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بچپن میں ہی چلتے وقت نہایت نیچی نظریں رکھا کرتے تھے اور چونکہ آپ کو آشوبِ چشم کا عارضہ عموماً رہتا تھا اس لئے کئی بار میں نے حضرت حکیم الامت مولانا نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول کو خود اپنے ہاتھ سے آپ کی آنکھوں میں دوائی ڈالتے دیکھا۔ وہ دوائی ڈالتے وقت عموماً نہایت محبت اور شفقت سے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا کرتے اور رخسار مبارک پر دستِ مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا کرتے ”میاں تو بڑا ہی میاں آدمی ہے۔ اے مولا! اے میرے قادر مطلق مولا! اس کو زمانہ کا امام بنا دے“ بعض اوقات فرماتے ”اس کو سارے جہان کا امام بنا دے“ مجھ کو حضور کا یہ فقرہ اس لئے چبھتا کہ آپ کسی اور کے لئے ایسی دعا نہیں کرتے صرف ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔ چونکہ طبیعت میں شوخی تھی۔ اس لئے میں نے ایک روز کہہ ہی دیا کہ آپ میاں صاحب کے لئے اس قدر عظیم الشان دعا کرتے ہیں، کسی اور شخص کے لئے ایسی دعا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر حضور نے فرمایا ”اس نے تو امام ضرور بننا ہے۔ میں تو صرف حصول ثواب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ ورنہ اس میں میری دعا کی ضرورت نہیں“۔ میں یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ (الفضل 13 مارچ 1938ء)

نوٹ: اگر آپ بھی اپنی کسی پسندیدہ کتاب کا تعارف ”انصارڈائجسٹ“ کی زینت بنانے کے خواہشمند ہیں تو براہ کرم درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں:
074433 96 495